ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

جولائی 2023ء ـ ذوالحجہ 1444ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 07 | جولائی 2023ء | جلد 31

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ مردر بزم شوق آوردہ ام

1	حمد و نعت	محمد رفیع الدین ذکی قریشی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	6
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	10
5	عقیدہ ختم نبوت کا اجمالی جائزہ	ڈاکٹر محمد طاہر القادری	12
6	عسکری قیادت	محمد بن علوی المالکی	14
7	کعبۃ اللہ	محمد امین شرقپوری	17
8	دیوانِ ابی طالب	صفدر ہمدانی	27
9	میڈیکل سائنس اور مسلم سائنسدان	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	29
10	ماہ ذی الحجہ کے عشرہ کی فضیلت	ذیشان کلیم معصومی	29
11	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	30
12	ناامیدی چھوڑیں مثبت سوچیں	آصف بلال آصف	31
13	ساقیا اٹھنا پڑے گا مے دلانے کے لیے	ڈاکٹر منظور حسین اختر	32
14	سادات کی نسبت ختم نہیں ہوتی	علامہ محمد ارشد	33
15	صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن	ماسٹر احسان الٰہی	34
16	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	38

مشیر ادارت
ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز
- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین
- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ
30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ
450/= روپے

بیرون ملک سالانہ
150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

حمد باری تعالیٰ

کرم ہو مجھ پہ بھی یاربّ ! مرے بھرم کے لیے
ہوں منتظر میں کبھی کا اسی کرم کے لیے

مجھے خدایا! پرِ جبرئیل ہے درکار
میں حمد و نعت لکھوں جس سے اُس قلم کے لیے

عطائے لطف و کرم ایسے کر خدائے رحیم !
ہو جو عرب کے لیے ہو وہی عجم کے لیے

ترے حضور میں یاربّ ! یہی دعا ہے مری
کرم کرم ہو کرم ہو کرم کرم کے لیے

مرے جو دل میں ہے یاربّ ! ترے حبیب کی یاد
یہ زادِ راہ بہت ہے مجھے عدم کے لیے

خدایا! مجھ میں جو موجود ہیں بری عادات
ہوں مجھ سے دور وہ سب اَحسنُ الشِّیَم کے لیے

خدائے ارض و سماوات ! چشمِ لُطف و عطا
ہو حمد و نعت کے اِس شاعرِ عجم کے لیے

تھے جام جتنے بھی یاربّ ! جہاں کے پی ڈالے
ترس رَہا ہوں میں اب بادۂ اِرم کے لیے

عطا خدایا ! ہو دونوں جہاں میں فوزو فلاح
ذکی سے عاصی کو بھی رحمتِ اَتم کے لیے

نعت رسول کریم ﷺ

آمدِ شمس الضحیٰ پر پوچھیے کیا کچھ ہُوا
روشنی ہر سمت پھیلی جشن برپا ہو گیا

عدل و انصاف و محبت کا سبق جس نے دیا
نام اُس کا ہے محمد مصطفٰے صَلِّ علیٰ

آیۂ "مَا یَنْطِقُ" نے ہم پہ واضح ہے کیا
جو نبی کے نُطق سے نکلا وہ فوراً ہو گیا

جن کے چلنے کی قسم کھاتا ہے ربّ قرآن میں
وہ ہیں وجہِ کُن فکاں اور وہ امامُ الانبیاء

ما سِوا شاہِ اُمم کوئی بھی ہو سکتا نہیں
اُمتِ عاصی کا حامی، بے نواؤں کی نَوا

آمدِ محبوبِ ربّ کا فیض یہ کچھ کم نہیں
جو تھا صحرائے عرب وہ گُل بداماں ہو گیا

دیدِ طیبہ کے لیے یہ صورتِ سیماب ہے
یانبی ! بس اِس قدر ہے میرے دل کا ماجرا

نامۂ اعمال عصیاں سے ہے آلودہ حُضور !
روزِ محشر میں بھی ہو گا آپ ہی کا آسرا

ربّ کو وہ پیارا لگے گا جس کے ہونٹوں پر ذکی !
نام اُن کا سنتے ہی صَلِّ علیٰ آ جائے گا

محمد رفیع الدین ذکی قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دشت پر دشت بیاباں پر بیاباں اٹیں

انسان کی زندگی میں احساس کیا کردار ادا کر سکتا ہے، اس کے دکھ اور اس کی خوشیاں کیسی ہوتی ہیں۔ اس کے عقیدوں اور اس کے وسوسوں کے رنگ کیسے کیسے ہوتے ہیں؟ صاحب احساس کا صبر، اس کے ضمیر کی آزادی، اس کی محبت اور اس کی وحشت کنج کاوی کی ریاضت کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ جی ہاں صاحب احساس درگندھ کو سنگدھ میں تبدیل کر سکتا ہے، وہ نہاں زخموں پر مرہم رکھنے کا فن جانتا ہے اور وہ شکستہ آرزوؤں کی لاشیں مومیانے کا کاسب ہوتا ہے، ایسے شخص کے خون سے خوشبوئیں پھوٹتی ہیں، ایسے شخص کی نیکی جنت کا رنگ و روغن ہوتا ہے اور صاحب احساس کا گناہ جابروں، خرکاروں، آدم کشوں کو توبہ کی راہ دیتا ہے۔

لفظوں اور حرفوں میں ضمیر کی زندگی کا چشمہ تلاش کریں۔ نیک رفتگاں کا نام ضائع نہ کریں۔ جج، جرنل اور نام دار اور کام دار سب غور سے لفظوں کی مالا جپیں۔ اقبال نے تو یہ کہا ''دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم وجدید'' لیکن عارف وقت تم کو دلیل خوش نظری کے لیے دورِ رسول کے ایک دو واقعات سناتا ہے:

دو شخص تھے دونوں نام دار تھے، ان کا بھائی چارہ رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا، وہ دونوں محبتوں میں یک جان دو قالب تھے۔ جب معیت رسول میں سفر کرنا ہوتا تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کرتے ایک عازم سفر ہوتا دوسرا ناظم بیت ٹھہرتا، ایک مرتبہ گھر کا ناظم غیر موجود دوست کی بیوی کی طرف شہوت کی آگ میں جل کر لپکا اور بوسہ لینا چاہا، عورت نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے یوں وہ شخص احساس کے تازیانے سے خود کو کوٹنے لگ گیا اور پہاڑی دروں میں خاک کے ذروں کی طرح پڑا رہا، پریشان حالی کی زندگی کو مقصد حیات بنالیا اور سچی توبہ کی راہ لی۔

اسے ہماری بدقسمتی سمجھیں ہم میں سے ہر ایک نے خود کو طاہر اور طاہرہ سمجھ لیا، ہمارا ذہنی اور عملی ماحول

انتشار کے سوا کچھ بھی نہیں رہا بقول شاعر:

شخص و اسلوب میں ہے روح و بدن کا رشتہ
رقص و رقاص میں تفریق کریں تو کیسے

دورِ رسالت ہی کی بات ہے ایک شخص کو رحمتوں کے نقیب نے کسی کام کی غرض سے بھیجا، راستہ میں وارِدِراہ نے ایک انصاری کے گھر کا دروازہ کھلا دیکھا، اس نے اندر جھانک لیا ایک عورت غسل کر رہی تھی، نظر کیا پڑی کہ پشیمانیوں نے قلب ونگاہ کی دنیا کو نذرِ آتش کر دیا۔ خوف وخشیت کے جذبات کا طوفاں امڈ پڑا کہ اب بارگاہِ رسالت میں نگاہِ مازاغ کا سامنا کیسے کروں گا؟ ندامت، شرمندگی اور خوف سے صحراؤں اور پہاڑوں کی طرف نکل گئے، یوں احساسِ ندامت کے جنوں نے انہیں بیاباں میں آبلہ پائی کی ریاضت نصیب کر دی اور وہ صحرا نورد ہو گئے۔ ادھر اللہ نے جبرائیل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا اور فرمایا: میرے محبوب! آپ کا ایک اُمتی پہاڑوں میں میری پناہ طلب کر رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر اور سلیمان کو بھیجا اور ان کی طلبی فرمائی۔ دونوں کو ایک چرواہا ملا۔ استفسار ہوا تم نے ان پہاڑوں میں کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔ چرواہا کہنے لگا: تم شاید اس نوجوان کی بات کرتے ہو جو جہنم کے خوف سے بھاگا ہوا ہے۔ حضرات نے سوال میں گرہ لگائی کہ تم کو کیسے معلوم ہوا ہے کہ وہ نوجوان جہنم کے ڈر سے بھاگا ہوا ہے؟

چرواہے نے کہا:

''میں دیکھتا ہوں جب آدھی رات ہوتی ہے تو وہ نوجوان پہاڑوں سے نکل کر چیختا ہے، آہیں بھرتا ہے، سر پیٹتا ہے اور اور اپنے سر کے بالوں کو نوچتا ہے اور کہتا ہے:

اے میرے اللہ!

جیسے تو اور روحوں کو قبض کر لیتا ہے میری روح کو بھی قبض کر لے

اے میرے ربّ!

مجھے قضا پر نہ چھوڑ۔۔۔

بس مجھے اپنے پاس بلا لے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''شاباش ہمارے بھائی ہمیں اسی نوجوان کی تلاش ہے''۔ چرواہے کی مدد سے دونوں حضرات ایک پہاڑی چٹان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ رات سنسنائی، سکوت نے ڈیرہ جما لیا، اچانک ایک خوف ناک آواز فضا میں سرسرائی، دیکھا گیا کہ ایک نوجوان اپنے سر پر ہاتھ رکھے ہے، دیوانہ وار کہے جا رہا ہے: آ میری موت مجھے آغوش میں لے، میری زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں، میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کر بیٹھا ہوں، عمر پہچان گئے کہ یہ نوجوان ثعلبہ ہی ان کے مطلوب تھے۔

نوجوان ثعلبہ نے کہا:

مجھے پہلے یہ بتاؤ کیا میرے گناہ کا آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چل گیا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

مجھے یہ معلوم نہیں البتہ ضروری ہے کہ ہم دونوں کو تمہاری تلاش میں بھیجا گیا ہے۔

ثعلبہ نے عرض کی: مجھے اس وقت لے جانا جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوں۔ ایسا ہی ہوا لیکن لسان نبوت سے قرآن کی آواز جب نماز میں اس عاشق زار کے کان میں پڑی خوف خدا سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کو خود اٹھایا اور صرف اتنا پوچھا: ''اتنے دن کہاں رہے؟'' عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گناہ کر بیٹھا اس لیے حاضری میں تساہل ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں وہ آیت نہ بتا دوں جس سے تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربنا اتنا فی الدنیا حسنہ والی آیت پڑھی''، ثعلبہ کا مقدر شہید عشق ہونا تھا، آپ ضمیر اور عشق کے بوجھ تلے دب گئے اور بالآخر ایک چیخ ماری اور روح اپنے اللہ کے حوالے کر دی۔

کیا ہمارے مذہبی معاشرے میں ہم سب کے سرطان کی شفا ضمیر کی چیخیں نہیں۔ ایک بات سمجھ لیں جب ضمیر مردہ ہو جائیں اور منافقت دلوں اور ضمیروں کو کالا کر دے پھر کوئی ہڑتال اور احتجاج مسائل کا مستقل حل نہیں ہوتا۔ بیابان صحراؤں میں مور کا رقص عبث ہوتا ہے اور جب حالات کے سمندر میں سرکش موجیں ہر ایک کی مٹھی گرم کر کے نظام تشکیل کرنا چاہیں تو نظام محل کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو دھکا دے کر زمین بوس کر دیتی ہے۔

آؤ!

دلوں اور روحوں کی پنج سڑکی میں روحانی دھرنا دیں، اس زمانے کی تو یہ مقدس ادا ہو گئی ہے شاید ہمارے دھرنے سے مادی عشق کی سڑکیں بند ہو جائیں اور جنت نگر کی راہ کھل جائے۔ ہم چوراہوں میں بیٹھنے والے دائمی سڑک سوار ہیں جس نے ہم سے کام لینا ہے لے لے۔ ہم محنت کشوں کی تاریخ یہی ہے اللہ معاف کر دے۔

اللہ اکبر کبیرا و الحمد للہ کثیر افسبحان اللہ بکرۃ و اصیلا

فداک ابی و امی یارسول اللہ یارسول اللہ ہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کررہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 157 تا 163 کی تفسیر پیش کررہے ہیں۔ (ادارہ)

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ
اللّٰہِ وَرَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ
قُتِلۡتُمۡ لَاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ
لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا
مِنۡ حَوۡلِکَ ۪ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ
وَشَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی
اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ ﴿١٥٩﴾ اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ
اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ
یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ
الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَمَنۡ
یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ
نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ
رِضۡوَانَ اللّٰہِ کَمَنۡۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاۡوٰىہُ
جَہَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿١٦٢﴾ ہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ
اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٦٣﴾

''اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کردیے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مرو یا تم مارے جاؤ اس میں کیا شک ہے کہ تم سب اللہ ہی کی طرف اکٹھے ہوگے، تو یہ کیسی اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہوئے ہیں اور اگر آپ کی طبیعت اور دل میں سختی ہوتی تو وہ ضرور آپ کے ماحول سے منتشر ہوجاتے سو آپ انہیں معاف فرمادیں اور ان کے لیے طلب مغفرت فرمائیں اور مختلف امور میں ان سے مشورہ لیں اور جب کسی بات کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر ہی توکل رکھیں، بے شک توکل کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے، اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی ہے ہی نہیں جو تم پر غالب آئے اور اگر وہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے اور کسی نبی کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کچھ چھپا کر رکھے اور جو شخص کچھ چھپاتا ہے تو قیامت کے دن جو بھی چھپایا ہوگا اسے لے آئے گا پھر پورے کا پورا دیا جائے گا جو کسی نے کمایا ہوگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا، کیا ایسا شخص جو اللہ کی مرضی کا تابع ہوا اس جیسا ہوگا جسے اللہ کے غضب نے گھیر لیا ہو اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر جانے کے لیے بہت بری جا ہے، یہ لوگ اللہ کے ہاں مختلف درجوں میں ہوں گے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اسے جو وہ کرتے ہیں''۔

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا
یَجۡمَعُوۡنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿١٥٨﴾

''اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کردیے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مرو یا تم مارے جاؤ اس میں کیا شک ہے کہ تم سب اللہ ہی کی طرف اکٹھے ہوگے''۔

عام طور پر اس فانی دنیا میں کامیاب زندگی کا مدار اس بات کو سمجھا جاتا ہے کہ دنیا کے خزانے سمیٹ لیے جائیں، دولت اکٹھی کرلی جائے اور افرادی قوت جمع کرلی جائے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ باقی رہنے کا اعزاز بن سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ اگر زمین آسمان کی بھی قیمت رکھتا ہو، فانی ہے لیکن اللہ کی راہ میں شہادت پاجانا یا عام موت آجانا لیکن مغفرت اور رحمت کا یقینی ہوجانا، قرآن کہتا ہے اخروی نعمتیں اندوختہ مال وزر سے بہتر ہیں۔

علامہ فخر الدین رازی کا تحقیقی مزاج خوشبو نوازی کے لیے بے تاب ہو رہا ہے۔ سیماب نظری ملاحظہ ہو(538):

''زر اندوزی کے پرستاروں کو سمجھنا چاہیے کہ'' مغفرة، رحمة اور خیر'' سب پر تنوین ہے۔ مبتدا پر تنوین تقلیل کے لیے ہے اور خبر پر تنوین تفخیم کے لیے ہے، معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے بخشش اور رحمت تھوڑی سی بھی ہو تو دنیا و مافیہا جو لوگ جمع کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے''۔

علامہ رازی نے یہ لکھا کہ ''یَجۡمَعُوۡنَ'' میں جمع کرنے کی نسبت منافقین کی طرف ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ مومن اور منافق کا آپس میں کیا مقابلہ ہے۔ کرگس کے جہاں اور شاہین کے جہاں میں جنت دوزخ کا فرق ہے(539)۔

زیر تفسیر دوسری آیت کی تعبیرات میں رازی کے استخراجات نقل کیے جاتے ہیں، آپ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں(540):

''اگر تم نے جہاد چھوڑ دیا اور اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھا کہ تم نے اپنے آپ کو قتل ہونے یا مرنے سے بچالیا ہے تو یقین کرو تمہاری سوچ

عبث ٹھہری۔ اس بات کو دل میں پختہ کرلو کہ تم نے دنیا میں تھوڑا سا وقت ہی رہنا ہے اور دنیا کی گھٹیا لذتیں پائیدار نہیں ہیں۔ تم نے ہر حالت میں دنیا کو چھوڑ جانا ہے، تمہاری مرغوبات چیزیں کسی اور کا سرمایہ بن جائیں گی۔ دنیا تو بس اسی چیز کا نام ہے، ہاں اگر تم نے جان اللہ کی راہ میں لگادی تو یقین کرلو کہ تم نے اللہ کا قرب حاصل کرلیا، اکٹھا تو تم سب نے بہر حال اللہ ہی کے پاس ہونا ہے"۔

رازی کی چند دقیق باتیں

☆ **پہلی بات**

"لَاِلَی اللّٰہِ" کے پہلے ذکر کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی صرف اللہ ہی کی طرف تمہیں اٹھایا جانا ہے کسی اور کی طرف نہیں، اس میں یہ دلالت بھی موجود ہے کہ قیامت کے دن حاکم اللہ ہی ہوگا اللہ کے سوا کوئی نفع پہنچانے والا نہیں ہوگا۔

☆ **دوسری بات**

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء میں سے اسم "اللّٰہِ" ارشاد فرمایا ہے، یہ پاک نام اسم اعظم ہے۔ یہ اسلوب اللہ کے کمالِ رحمت اور کمال قہر پر دلالت کرنے والا ہے۔

☆ **تیسری بات**

اس آیۂ کریمہ میں اسم "اللّٰہِ" پر لام تاکید داخل کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی "الوہیت" کا تقاضا حشر ونشر کا قیام ہے۔

☆ **چوتھی بات**

"تُحۡشَرُوۡنَ" مضارع مجہول کا صیغہ ہے جس میں فاعل صراحۃً مذکور نہیں ہے۔ اس سے ثابت یہ ہو رہا ہے کہ حشر قائم کرنے والا فاعل اللہ ہی ہے۔ صراحۃً مذکور نہ ہونا اس کے کبیر اور عظیم ہونے کی دلیل ہے یعنی عقلاً فاعل امور کا وہی ہے، اس کی عظمت اور کبریائی پر عقلیں خود ہی شہادت مہیا کر رہی ہیں۔

☆ **پانچویں بات**

تمام کے اٹھائے جانے کو اٹھانے والے کی طرف منسوب کرنا ثابت کرتا ہے کہ اٹھانے والا خالق ہوسکتا ہے مخلوق نہیں اس لیے کہ مخلوق ساری تو خالق ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس کی مشیت میں ہے۔

☆ **چھٹی بات**

"تُحۡشَرُوۡنَ" جمع کا صیغہ ہے جس میں تمام کو خطاب کیا گیا ہے۔ یہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ تمام جہان والوں کو محشور کیا جائے گا اور قیام عدل ہوگا۔ واللہ اعلم

آیت کی تفہیم میں نجوم الفرقان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور واحدی کی تفسیر بھی پڑھی گئی ہے (541)۔

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانْفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۖ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ﴿۱۵۹﴾

"تو یہ کیسی اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہوئے ہیں اور اگر آپ کی طبیعت اور دل میں سختی ہوتی تو وہ ضرور آپ کے ماحول سے منتشر ہوجاتے سو آپ انہیں معاف فرمادیں اور ان کے لیے طلب مغفرت فرمائیں اور مختلف امور میں ان سے مشورہ لیں اور جب کسی بات کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر ہی توکل رکھیں، بے شک توکل کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے"۔

رحمت اور آثار رحمت

قاریٔ قرآن کو آسمان سے برستی رحمتوں کے روبرو کیا جارہا ہے۔ ضمیروں اور سوچوں کے پر سکون سمندر میں برستی رحمت سے جو لہریں اٹھتی ہیں ان کا خاموش مطالعہ اس آیت کا خاص عنوان ہے۔ "فَبِمَا" ایک سوال ہے جو سوچ اور فکر کو متحرک کرتا ہے کہ یہ رحمت کیسی تھی جس کے اثر نے خلق عظیم کے سمندروں میں تموج پیدا کیا اور آپ نرمی اور رافت کا مجسمہ بن گئے۔ مقالات میں نرمی، احساسات میں نرمی، احوال میں نرمی اور افعال میں نرمی، قرآن مجید کا کتنا عظیم اعلان ہے کہ رسول رحمت کا "اسھل الناس" ہونا اعجاز ہے لیکن اس کرم کا ظہور اللہ کی طرف سے رحمت کے سبب سے ہو رہا ہے۔ مفسرین کی یہ رائے سمجھ سے بالا ہے (542) کہ آیت ان لوگوں کے ناقابل معافی ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ اُحد میں زیادتی کر بیٹھے تھے اس قابل تو نہ تھے کہ رحمت نوازی کی لپیٹ میں لپے جاتے لیکن یہ اللہ کی طرف سے ظہور رحمت ہی تھا کہ انہیں معاف کردیا گیا۔ فہم کا ایک انداز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت کو حضور ﷺ کی سیرت کا مطلق شہامت انگیز برھان تسلیم کرلیا جائے کہ جو "رہبر اور رہنما" لوگوں کو ساتھ رکھنے کا خلق عظیم ایسے موقعوں پر ظاہر کرتا ہے عام حالات میں وہ کتنے اکرم و اشرف اور الین و اخلق اور اجود و اشجع ہوں گے اور ان کے کریم ہونے کی روشن کرنیں کیسے کیسے جلوے اور رنگ بکھیرتی ہوں گی۔ عفو و درگزر ایک دوسری چیز ہے لیّن ہونا معاملات میں سخت گیری کی بجائے نرمی اور سہولت اختیار کرنا ہے۔ دیکھا جائے تو تلطف اور رفق ہی حسنِ اخلاق کی جڑ ہے۔

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس حقیقت سے یوں آگاہ فرمایا (543):

"نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور نرمی جہاں ختم کردی جاتی ہے وہاں بدنمائی آجاتی ہے" (544)۔

آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے (545):

"جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا"۔

رسول انور ﷺ نے اسی اخلاقی فضیلت کو یوں بیان فرمایا (546):

"کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں باخبر نہ کروں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور آگ کس پر حرام ہے؟

"وہ شخص جو لوگوں سے قریب ہو سہولت اور نرمی برتنے والا ہو اور آسانیاں رکھے"۔

نفحۂ سیرت کی تازہ مہک

آیت میں کہا گیا کہ حضور ﷺ "فظ" نہیں تھے، اس لفظ کا معنیٰ کیا ہے؟ تاج العروس نے لکھا کہ ایسی گفتگو جو فاصلوں میں اضافہ کر دے (547)۔ راغب نے لکھا کہ لہجے کی ناخوشگواری "فظ" کہلاتی ہے (548)۔ ابن منظور نے کہا کہ خشونت کلامی "فظاظت" ہوتی ہے (549)۔ التحقیق نے یہ بھی لکھا کہ اونٹ کو پانی پلاکر پھر اس کا منہ بند کر دینا "فظاظ" ہے۔ اس سے ایسا کلام بھی "فظاظت" کہلانے لگ گیا جس

کے شوخا اور بے رخ ہونے کا پتہ چلے، یہ بد خلقی کی ایک قسم ہے۔ ائمہ لغت نے یہ بھی لکھا کہ لوگوں پر لعنت کرنے والا شخص "فظیظ" ہوتا ہے (550)۔ ایسا تلخ اور کڑوا پانی جو پینے والا گھونٹ بھرتے ہی تھوک دے "فظظ" ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے کڑوا کلام جو تلخیاں جنم دے "فظاظت" کہلاتا ہے (551)۔

علامہ رشید رضا نے لکھا "فظ" اس کھردرے آدمی کو کہہ دیتے ہیں جس کے کلام میں پانچ بُری صفتیں ہوں:

1۔ شرامت کلام میں ادب اور کسی کی تکریم کا خیال نہ رکھنا۔
2۔ خشونت ایسی گفتگو کرنا جس سے سننے والا غصہ کھا کر بھڑک جائے، ایسی باتیں کرنا جو مجلسی آداب کے خلاف ہوں۔
3۔ قساوت ایسا کلام جس میں مستحق آدمی پر ترس اور رحم موجود نہ ہو۔
4۔ غلظ یا معانطت درشت کلامی اور بدتمیزی ہوتی ہے۔
5۔ منافرت ایسی باتیں کرنا جن سے نفرتیں پیدا ہوں۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ حضور ﷺ کے کلام میں فظاظت نہیں تھی بلکہ آپ کی باتیں میٹھی، شیریں، حلاوت انگیز اور دلوں کو ٹھنڈا کرنے والی ہوتیں۔ آپ ﷺ فطری طور پر فصاحت اور بلاغت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ تکلف بالکل بھی نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے لہجے میں مصنوعیت بالکل بھی نہیں تھی۔ بزرگوں نے یہ بات بالکل بجا لکھی کہ آپ کا کلام میٹھا اور شیریں ہوتا۔ آپ کو "جوامع الکلم" کی فضیلتیں میسر تھیں۔ پڑھے لکھے اور ان پڑھ سبھی لوگ آپ کے اعجاز نطق کے گرویدہ تھے۔ آپ کی زبان میں فصاحت کاملہ تھی۔ موزوں الفاظ کی برجستگی کلامی تاثیر کا آب حیات کا چشمہ محسوس ہوتا تھا۔ لفظوں میں صحتِ معانی کا مکمل لحاظ ہوتا تھا۔ آپ خود ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میرے ربّ نے مجھے تعلیم دی اور پرورش میں نے بنی سعد میں پائی، اس پر مستزاد ہاشمی ہونے کا اعزاز بھی آپ رکھتے تھے۔ نطق کی مٹھاس اور حلاوت مطلبی تھی، جو بات سنتا وہی گرفتارِ عشق ہو جاتا۔ آپ ﷺ ایک مرتبہ ایک قوم کے پاس سے گزرے وہ لوگ تفریحاً ایک دوسرے پر پتھر پھینک رہے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں کچھ نہ کہا مسکرا کر گزر گئے۔ ایک صحابی عرض کرنے لگے اگر آپ جھڑک دیتے تو بہتر ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ نے مجھے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے مبعوث کیا ہے لوگوں پر پابندیاں عائد کر کے متنفر کرنے کے لیے نہیں بھیجا" (553)۔

علمائے نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ زبان میں خشونت اور سختی رکھنے والے شخص کے گرد اگرد حلقۂ محبت قائم نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے اس آیت میں یہی کہا کہ محبوب آپ اگر سخت دل اور درشت کلام ہوتے تو وفا کیشانِ محبت کا ہجوم قائم نہ رہ سکتا۔ آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کا کتنا خوبصورت ذکر ہے۔

درگزر فرما کر معافی دلوا دیں

غزوۂ اُحد کے عواقب جس وقت سامنے آئے تو فطری امر یہ تھا کہ اہل مدینہ نے اخلاص کی بنیاد پر سوچنا شروع کر دیا کہ ہمیں تین وجوہات کی بنا پر نقصان ہوا:

☆ ایک تو منافقین کی سازشیں، مہلک منصوبہ بندیاں اور اسلام کو دبانے کا جذبۂ محرکہ جب تک قائم ہے مسلمان نقصان اٹھاتے رہیں گے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ منافقین اور مؤمنین میں تمیز قائم ہو۔

☆ دوسری چیز جو نقصان دہ ثابت ہوئی وہ بکھری ہوئی مشاورت ہے۔ ہر ذہن مدینہ میں محسوس کرنے لگ گیا کہ آزاد شوریٰ قبائلی شدت کی وجہ سے اسلامی صفوں میں پھوٹ ڈالے گی پُرجوش جوانوں اور باہوش بزرگوں کے خیالات باہم ٹکرا گئے۔ ایسے موقع پر سوچ اور بصیرت کا ذہنی ذوق شوریٰ کو ویٹو کرنے کی جہت پر کام کرنے لگ گیا۔

☆ تیسری وجہ گھاٹی پر قائم تیراندازوں کی اطاعت امیر کی پرواہ نہ کرنا تھا۔ جنگ اگرچہ مجموعی لحاظ سے کامیابی کے ہدف تک پہنچ گئی لیکن مسلمانوں کو بے حد نقصان اٹھانا پڑا۔ قرآن مجید کی یہ آیت مینارِ نور بن کر ابھری اور واضح تعلیمات مسلمانوں کے سامنے رکھ دی گئیں جو روشنی محبت کے افق سے ابھری وہ بڑی واضح تھی۔

☆ اللہ کی رحمت سہارا لیا جائے۔
☆ رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کی بنیاد پر لوگوں کی تالیف قلوب کی جائے۔
☆ لوگوں کو فکری، عملی اور روحانی انتشار سے بچایا جائے۔
☆ تمام لوگوں سے درگزر کیا جائے اور ان کی غلطیوں کی پروا نہ کی جائے بلکہ ان کا تزکیہ کیا جائے۔
☆ منافقین اور مخلصین کا مقام علیحدہ علیحدہ سمجھا جائے۔
☆ مشاورت اور شوریٰ کی اہمیت کو باقاعدہ شامل نظام رکھا جائے۔
☆ عزائم کی شکستگی سے پرہیز کیا جائے۔
☆ توکل اور اللہ پر اعتماد مضبوط اسلحہ ہے اس سے مستفید ہوا جائے۔
☆ اللہ تعالیٰ توکل والوں سے محبت رکھتا ہے۔

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی ہے ہی نہیں جو تم پر غالب آئے اور اگر وہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

وہ لوگ جو نبوت کی دہلیز پر پہنچ کر بھی ذاتی مفادات کی شمعیں روشن کرنا تقدس مآب کام تصور کرتے ہیں اور خیر کا چشمہ اپنی ہی ذات کو تصور کرتے ہیں اور فطری نتائج جو بشری زندگی کا "لابدی" حصہ ہوتے ہیں ان میں نقصانات دیکھ کر طعنے دیتے ہیں کہ ہماری رائے پر اگر عمل ہوتا تو شکست نہ ہوتی اور ہماری رائے کو اگر اہمیت دے دی جاتی تو یہ خاک نہ چھنتی، ایسے کمزور اور ذہنی مریض لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ فتح وظفر کا مصدر اللہ ہے، اس کی مدد کے بغیر کون ہے جو کامیابیوں کا دروازہ اپنے حیلوں سے کھول سکے۔ اس کی مدد کا انعام پانے والوں پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اگر وہی کسی کو ذلیل کر دے تو مدد کا جہاں مسخر نہیں کیا جا سکتا کسی کے مشورے، رائے اور کوشش کے جہاں کو تسخیر کا وارث نہیں مانا جا

سکتا۔ اللہ پر توکل ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جس میں مومن پناہ گزیں ہوسکتا ہے۔

توکل کیا ہے؟

مفسرین نے لکھا یہ اللہ سے التجا ہے (554)۔ سیدی ابوالحسنات لکھتے ہیں کہ روزی کی نفسانی خواہش کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچنا توکل ہے (555)۔ یہ بھی کہا گیا کہ ہر معاملے میں اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کر کے اسی کو معین حقیقی جاننا توکل ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اگر اللہ پر توکل کرو تو وہ تمہیں تمہاری محنت کے بغیر روزی سے نوازے جیسے وہ ان پرندوں کو نوازتا ہے جو صبح بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے واپس آتے ہیں (556)۔

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ میری اُمت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ لوگ جو نہ داغ لگواتے ہیں، نہ منتروں میں پڑتے ہیں، نہ بدفالی کو یقین میں اتارتے ہیں بلکہ اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں'' (557)۔

اللہ اکبر!!! اللہ اکبر!!!

وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

''اور کسی نبی کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کچھ چھپا کر رکھے اور جو شخص کچھ چھپاتا ہے تو قیامت کے دن جو بھی چھپایا ہوگا اسے لے آئے گا پھر پورے کا پورا دیا جائے گا جو کسی نے کمایا ہوگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ہر قسم کی غلامی کے خلاف انسان میں آزادی، حفاظت، انتخاب، محبت، حقیقت کی تلاش اور مقام نبوت کی پہچان کے لیے تڑپ اور فکر صحیح پیدا کرتی ہے۔ ردّی تصورات، منطقی کہانیوں اور فلسفیانہ یبوست اور اقتصادی حربے کوئی معنیٰ نہیں رکھتے، اگر آپ کو ایک جابر نظام نے گھیر رکھا ہے اور کافرانہ طلسمات نے آپ کو اپنے محاصرے میں لیا ہوا ہے، تو اٹھو! پہلے غلامی کے سنگل اور زنجیروں کو توڑو اور قرآن حکیم کی تلاوت سیکھو، یہ الوہی تحفہ اور ہدیہ تمہیں کارآمد انسان بنا دے گا۔

یہ کلمہ نور ہے

آیت میں ایک لفظ ''یَغُلَّ'' استعمال ہوا ہے۔ یہ پیاز کا چھلکا نہیں قرآنی نظم اور نورانی لفظ ہے۔ اس کے اندر جو فہم اور حرکت سیماب کی طرح تڑپ رہی ہے وہ عمود تفسیر ہے۔ پہلے آئینۂ کلمات میں جھانک کر ہم لفظی حسن کا سراغ لگاتے ہیں۔ تاج نے لکھا کہ ''غلالہ'' اس کپڑے کو کہتے ہیں جو نظر آنے والے لباس کے نیچے پہنا جائے (558) بنیان وغیرہ ''غلالہ'' ہوگی، اسی طرح وہ پانی جو زمین میں جذب ہوکر درخت کی جڑوں میں رواں ہوجائے اور درخت کی ایک ایک شاخ بلکہ درخت کا ہر برگ وگل وہ پانی پی لے اسے ''غلل'' کہہ دیا جاتا ہے۔ لسان نے لکھا کہ کسی چیز میں خلل واقع ہونا ''تغلل'' کہلاتا ہے (559)۔

قرآن مجید نے ''اغلال'' زنجیروں اور سنگلوں کو بھی کہا ہے۔ رازی نے لکھا ''غلول'' کا معنیٰ خیانت بھی ہوتا ہے۔ ابن کثیر اور عاصم نے آیت میں ''یَغُلَّ'' کی دو قراٴتیں نقل کی ہیں: ایک میں ''یا'' پر فتحہ ہے اور ''غین'' پر ضمہ ہے اور دوسری میں ''یا'' پر ضمہ ہے اور ''غین'' پر فتحہ ہے۔ پہلی صورت میں معنیٰ ہوگا ''ما کان للنبی ان یخون'' نبی کی شان کے یہ لائق ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے اور دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ نبی کی شان کے لائق ہی نہیں کہ نبی کی خیانت کی جائے اور وہ خاموش رہے معنوی ترکیب یہ ہوگی (560):

ما کان للنبی ان یخان

روایات کا وسیع صحرا

اس آیت کی شان نزول میں روایات کا ایک وسیع جہان ہے:

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بعض بڑے لوگوں نے لالچ کی کہ مالِ غنیمت میں ہمیں زیادہ حصہ ملنا چاہئے آیت نازل ہوئی، نبی سے تو ممکن ہی نہیں کہ اس طرح کی بے ضابطہ تقسیم فرمائے (561)۔

☆ حضرت عکرمہ کی روایت ہے کہ بدر میں ایک سرخ رنگ کی چادر گم ہوگئی بعض جہال نے کہہ دیا ممکن ہے حضرت محمد ﷺ نے لے لی ہو (562)۔

☆ غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت حاصل ہوا تو بعض لوگوں نے مال کی تقسیم میں جلدی کرنے کی توقع ظاہر کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (563)۔

☆ چوتھی روایت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے میں جب باطل کو رد کیا گیا اس پر مطالبہ ہوا کہ معبودان باطل پر اتنی شدت کے ساتھ ردّ و کد نہ کی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (564)۔

☆ پانچویں روایت یہ بھی نقل کی گئی کہ بعض لوگ جنگی امور ہی میں مشغول تھے لیکن میدان بدر میں پہنچ نہ سکے۔ حضور ﷺ کو مشورہ دیا گیا کہ مالِ غنیمت میں ان کا حصہ مقرر نہ کیا جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (565)۔

☆ چھٹی روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمین کے ایک گز کی خیانت بھی ''غلول'' ہے۔ فرمایا: تم دو شخصوں کو پاؤ گے کہ وہ زمین یا مکان میں پڑوسی ہوں گے پھر ایک نے دوسرے کے حصے سے ایک گز کاٹ لیا ہوگا تو قیامت کے دن ایسے شخص کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا (566)۔ واللہ اعلم

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

''کیا ایسا شخص جو اللہ کی مرضی کا تابع ہوا اس جیسا ہوگا جسے اللہ کے غضب نے گھیر لیا ہو اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر جانے کے لیے بہت بُری جا ہے''۔

آیت کا آغاز استفہام انکاری سے ہورہا ہے۔ اصل میں سوچوں میں اس اسلوب سے پختگی کا قرینہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا وہ لوگ جو اپنے کردار اور عمل سے خود کو اللہ کے غضب کا مستحق کرلیں ان لوگوں کے برابر ہو جائیں جو ہمہ وقت اللہ کی خوشی اور مرضی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ علامہ رازی نے یہ بات اچھی لکھی کہ آیۂ کریمہ اگرچہ ایک خاص واقعہ کے تناظر میں پیدا ہوئی لیکن فہم قرآن کا یہ مستقل ضابطہ ہے کہ خصوصی اسباب کی وجہ سے عموم الفاظ باطل نہیں ہوتے (567)۔

آیت میں قابل غور چیز ایک عملی فیصلہ ہے کہ زندگی کیسے گزارنی چاہیے؟

ہالک کو راضی کر کے یا ناراض کر کے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ کامیاب شخص وہ ہوتا ہے جو اپنے شعور اور لاشعور دونوں کو مسلمان کر لیتا ہے اور یہ روحانی رویہ اس کی زندگی کی معراج بن جاتا ہے۔ اس نے دوزخ کی آتشِ سوزاں سے بچنا ہے اور اس مقام کو براجانتا ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (163)

"یہ لوگ اللہ کے ہاں مختلف درجوں میں ہوں گے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اسے جو وہ کرتے ہیں"۔

قرآن مجید کی اس آیت میں خواجہ حسن بصری کا مؤقف ہے کہ "دَرَجٰتٌ" سے مراد عام ہے یعنی نیک لوگوں اور بُرے لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ ابوعبیدہ اور کسائی کے نزدیک "دَرَجٰتٌ" سے مراد منازل آخرت ہیں یعنی لوگ آخرت میں درجہ بدرجہ ہوں گے۔ نیک لوگوں کے مقامات اعلیٰ ہوں گے اور پھر نیکوں کے درجات میں بھی فرق ہوگا۔ بُرے لوگوں کے عذاب میں بھی تقسیم ہوگی، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ہو گا۔ تفسیر خازن نے لکھا کہ "دَرَجٰتٌ" کا لفظ ثواب والوں کے لیے ہوتا ہے اور جہنم والوں کے لیے "درکات" لفظ استعمال ہوتا ہے(568)۔

مفسرین نے "دَرَجٰتٌ" کی وجوہ پر بھی گفتگو کی ہے:

☆ پہلی وجہ یہ لکھی گئی کہ "عمر" کا بھی درجات پر اثر پڑتا ہے۔ چھوٹے اور بڑے لوگ جب ثواب الاعمال میں برابر ہو جائیں گے تو "کبیر السن" کو بڑی عمر کا ہونا درجات میں بلندی بخشے گا۔

☆ دوسری وجہ ہمایوں گھڑیوں، پاکیزہ لمحات اور بابرکت ساعات میں عمل اور طلب درجوں میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہیں، جیسے جمعہ، شب قدر، شب برأت اور عاشورہ کے دنوں کی عبادت ہے۔

☆ تیسری وجہ جگہوں، مقامات اور اشرف مکانات عبادات کے اثرات اور درجوں میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں، جیسے حرم کی نماز اور مسجد نبوی کی عبادت ہے۔

☆ خصوصی احوال بھی درجوں میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں مثلاً باجماعت نماز کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے۔

☆ پانچویں وجہ بعض اعمال کا بعض دوسرے اعمال سے افضل ہونا ہے۔

☆ چھٹی چیز نیات کا تفاوت اور اہتمام میں توجہ درجہ میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے(569)۔ واللہ اعلم

حوالہ جات

(538) تفسیر کبیر: فخر رازی (539) تفسیر کبیر: فخر رازی
(540) تفسیر کبیر: فخر رازی
(541) نجوم الفرقان: بھتر الوی ایضاً التفسیر البسیط ایضاً فصل الخطاب
(542) فصل الخطاب: شیرازی
(543) صحیح مسلم کتاب البر والصلہ
(544) سیرت النبی: شبلی نعمانی ص:512، جلد:2
(545) سیرت النبی: شبلی نعمانی ص:511
(546) جامع ترمذی ابواب الزہد نیز سبل الھدیٰ
(547) تاج العروس: زبیدی (548) المفردات: راغب
(549) لسان العرب: ابن منظور (550) التحقیق: مصطفوی
(551) تاج العروس: زبیدی حنفی
(552) تفسیر المنار: رشید رضا مرحوم ایضاً راغب ایضاً رازی ایضاً قرطبی وغیرہا ختصاراً
(553) سبل الھدیٰ جلد نمبر 7 صفحہ نمبر 23 ایضاً ضیاء النبی
(554) التفسیر البسیط: واحدی
(555) تفسیر حسنات: سیدی ابوالحسنات
(556) مواہب الرحمان: سید امیر
(557) تفسیر حسنات: ابوالحسنات
(558) تاج العروس: زبیدی حنفی
(559) لسان العرب: ابن منظور ایضاً راغب ایضاً قرطبی
(560) تفسیر کبیر: رازی (561) تفسیر کبیر: رازی
(562) تفسیر کبیر: رازی (563) تفسیر کبیر: رازی
(564) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(565) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً صابونی
(566) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً صابونی
(567) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی (568) تفسیر خازن
(569) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی:

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم!

کوئی عمل ارشاد فرمادیں جس کے کرنے پر اللہ اپنی محبت سے نواز دے اور لوگ بھی مجھے اپنا محبوب بنالیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دنیا میں زہد برت، اللہ تم سے محبت کرے گا، سورہ گیا معاملہ لوگوں کی محبت کا تو ان کی طرف یہ ٹکڑی پھینک دیا کرو وہ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے"۔

(حلیۃ الاولیا، طبقات الاصفیا، مسند ابراہیم بن ادہم)

گفتنی وناگفتنی سے ایک اقتباس منجانب: سید فضل حسین شاہ۔ راولپنڈی

دَم دَم علی علی

حافظ سخی احمد

زَیْد بنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (ترمذی)

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آقا کریم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے“۔

حجۃ الوداع کی ادائیگی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں فرزندانِ توحید اور غلامانِ رسول کا قافلہ جمعرات 18 ذی الحجہ مطابق 21 مارچ نوروز کے دن مکہ سے تقریباً 13 میل کے فاصلے پر جحفہ کے قریب غدیر خم پر پہنچا۔ دراصل یہ ایک چوراہا ہے جس کا شمالی راستہ مدینہ کی طرف، مشرقی راستہ عراق کی طرف، تیسرا مغربی ممالک اور مصر کی طرف اور چوتھا جنوبی راستہ سرزمین یمن کو جاتا ہے۔ اس مقام پر آقائے رحمت ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد موجود تھے۔

جمعرات کا دن تھا، ہجرت کا دسواں سال اور عید قربان کو گزرے آٹھ دن گزر چکے تھے کہ اچانک محبوب رب العالمین کی طرف سے سب کو ٹھہرنے کا حکم دیا گیا، مسلمانوں نے بلند آواز سے قافلہ سے آگے چلے جانے والے لوگوں کو واپس بلایا اور اتنی دیر تک رکے رہے کہ پیچھے آنے والے لوگ بھی پہنچ گئے۔ آفتاب خط نصف النہار سے گزر گیا تو رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے ”اللہ اکبر“ کی صدا کے ساتھ لوگوں کو نماز ظہر پڑھنے کی دعوت دی، مسلمان جلدی جلدی نماز پڑھنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن فضا اتنی گرم تھی کہ بعض لوگ اپنی عبا کا کچھ حصہ پاؤں کے نیچے اور باقی حصہ سر پر رکھنے کے لئے مجبور تھے کیونکہ بیابان کی گرم ریت اور سورج کی شعاعیں ان کے سر اور پاؤں کو تکلیف دے رہی تھیں۔ اس صحرا میں کوئی سایہ نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی کوئی سبزہ یا گھاس صرف چند خشک جنگلی درخت تھے جو گرمی کی سختی کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے انہی برہنہ درختوں پر ایک کپڑا ڈال کر سید الانبیاء ﷺ کے لیے ایک سائبان بنایا گیا لیکن سورج کی جلا دینے والی گرم ہوا اس سائبان کے نیچے سے گزر رہی تھی، بہر حال ظہر کی نماز ادا کی گئی۔

لوگوں کے جم غفیر کے باعث لوگ اپنے آقا ﷺ کا چہرۂ والضحیٰ دیکھ نہیں پا رہے تھے لہٰذا اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا گیا۔ صاحب جوامع الکلم آقا ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں رب لم یزل کی واحدانیت کا بیان فرمایا اور اپنے وصال کی طرف اشارہ بھی فرمایا، قرآن مجید اور اپنے اہل بیت کے لازوال تعلق کو بیان کر کے ان دونوں کے ساتھ مربوط رہنے کا حکم ارشاد بھی فرمایا، پھر آپ ﷺ نے اپنے علی، پیارے علی، سوہنے علی، دلبر علی، دلدار علی، وفادار علی، جانثار علی، شہریار علی اور غمخوار علی کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

آقائے دوجہاں ﷺ کے اس فرمان کو جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، معجم ابن الاعرابی، الشریعۃ الاجری، شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ کے علاوہ امام احمد بن حنبل نے مسند اور فضائل الصحابہ میں، امام نسائی نے سنن الکبریٰ میں، امام بزاز نے مسند البزاز میں، امام ابویعلی نے اپنی مسند ابی یعلی میں، امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں، امام ابوسعید الشاشی نے مسند للشاشی میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، المعجم الصغیر اور مسند الشامیین میں، امام حاکم نے المستدرک میں، امام ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں، امام بیہقی نے الاعتقاد للبیہقی میں، امام مغازلی نے مناقب علی لابن المغازلی میں، ابن عساکر نے معجم ابن عساکر میں، امام جرجانی نے ترتیب الأمالي الخميسية للشجري میں روایت کیا۔ ان محدثین کے علاوہ بھی اتنی کثیر تعداد میں مفسرین، مؤرخین، سیر نگاروں، فقہاء، صوفیاء اور تحقیق نگاروں نے اس روایتِ ولایت و مولایت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو بیان کیا ہے کہ یہ روایت حدِ تواتر کو جا پہنچتی ہے۔ روایت کی ثقاہت میں جمالیاتی پہلو یہ بھی ہے کہ ہر دور میں ہر طبقہ علم بابِ مدینۃ العلم کی ولایت کو سناتے رہے ہیں، تحریر کرتے رہے ہیں اور اس روایت کے ذکر سے ایمان کی بنیادوں کو مضبوط کرتے رہے ہیں۔ یہ بھی ولایت مولا مشکل کشا کی کرامت ہی ہے کہ ذکرِ علی پر زبانیں کاٹی جا رہی تھیں، منبروں پر سرکاری سرپرستی میں سب وشتم کی رسم لذت ولعنت بھی جاری تھی مگر ولایت و مولایت علی المرتضیٰ کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ جبر وظلم واستبداد کا دور اُسے پھیکا نہ کر سکے بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اور گہرا ہی ہوتا رہا۔

خاتم النبیین آقا ﷺ سے اس وجد آفرین موقع کو روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

زیر مطالعہ فرمانِ مبارک سے چند تربیتی اسباق بیان کیے جاتے ہیں:

خاصۂ مولا مرتضیٰ علیہ السلام

ہر چند مولا کا لفظ عامۃ المؤمنین کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ تحریم کی آیت نمبر 4 میں یہ لفظ کو اللہ رب العالمین، جبرائیل امین، مؤمنین اور دیگر فرشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اور آقا کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا فرمایا تھا کیونکہ مولا کا ایک معنی آزاد کردہ غلام کے بھی ہوتے ہیں مگر یہ صرف اور صرف خاصۂ مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی ہے کہ خود سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے یہ لفظ صرف اور صرف اپنے علی علیہ السلام کو اپنی ذات کے ساتھ متصل کر کے بیان فرمایا۔ دیگر بہت سے اوصاف کی طرح اس وصف وخوبی میں بھی مولا علی لاشریک ہیں اسی لیے تو مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک وفد کے ساتھ

مولا مرتضیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو یوں سلام پیش کیا۔ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَوْلَایَ اور پھر وضاحت میں کہا کہ ہم نے غدیر خم پر رسول اللہ ﷺ سے سُن رکھا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی بھی مولا ہے۔

لفظ مولا کا معنی

واضح رہے کہ مولیٰ فصیح عربی زبان کا لفظ ہے جس کا استعمال قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور کلام عرب میں موجود ہے، علماء عربیت نے اس کے پچاس سے زائد معانی بیان کیے ہیں۔ عام لغات میں بھی اس کے پندرہ سے زائد معانی بآسانی دستیاب ہیں مثلاً مالک، سردار، غلام آزاد کرنے والا، آزاد شدہ، انعام دینے والا، جس کو انعام دیا جائے، ولیٔ نعمت، والی سلطان، شہنشاہ، حاکم آقا، دوست، رفیق، شریک، معاون، مددگار، سرپرست، رہنما اور رہبر وغیرہ۔ زیر مطالعہ فرمانِ شہامت وجلالت میں "مولا" کے معنی متعین کرنے میں علماء کا اختلاف ہے مگر سمجھنے کی بات تو صرف اتنی ہے کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مولایت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی مولایت سے متصل اور مشابہہ بیان فرمایا ہے یعنی جن معنوں میں تم محمد رسول اللہ ﷺ کو مولا جانتے اور مانتے ہو اُسی معنیٰ میں میرا علی بھی تمہارا مولا ہے۔ اب ملنگانِ علی کے لیے وقتِ دھمال ہے کہ

علی مولا ۔۔۔۔ رہبر بھی علی، رہنما بھی علی
علی مولا ۔۔۔۔ آقا بھی علی، حاکم بھی علی، سردار بھی علی
علی مولا ۔۔۔۔ بادشاہ علی، شہنشاہ علی، سلطانوں کا سلطان علی
علی مولا ۔۔۔۔ سرپرست علی، مددگار علی، محبوب علی، معشوق علی
علی مولا ۔۔۔۔ ہمارا دلبر علی، ہمارا دلدار علی، ہماری روح علی، جان علی
علی مولا ۔۔۔۔ قنبر ومیثم کا مالک مختار علی
علی مولا ۔۔۔۔ دشمنوں پہ لپکتی، لٹکتی تلوار علی

کیونکہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا اور سمجھایا کہ جیسے مجھے "مولا" مانتے ہو ایسے ہی میرے علی کو "مولا" جان بھی لو، مان بھی لو اور وقت آنے پر جان دینی پڑی تو اسی پر جان بھی دے دو۔

مقام خوشی ومسرت وفرحت

غدیر کو عید مانیں یا نہ مانیں مگر اتنی بات تو تسلیم کیے بغیر انسانی نفسیات کا گزارا نہیں ہوتا کہ جب بھی کسی کو کوئی منصب ملے، کوئی مرتبہ ملے، محبوب مل جائے یا پھر محبوب کی رضا نصیب ہو جائے تو وہ مقام مسرت وفرحت ہوتا ہے۔ پیر اپنے مرید کو اپنی رضا وخوشنودی کی سند دے دے تو بندہ کم از کم اپنے پیر بھائیوں میں ممتاز ہو جاتا ہے اور وہ سب اُسے مبارکباد دینے لگتے ہیں کہ دنیا کے سارے منصب اک طرف اور شیخ کی خوشنودی اک طرف۔۔۔۔۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ عالیشان سُن کر حاضرین میں مبارک باد کا شور بلند ہوا لوگ بڑھ چڑھ کر اس اعزاز ومنصب پر حضرت علی کو اپنی طرف سے مبارک باد پیش کرنے لگے۔ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کا اعزاز کی شان سمجھنی ہو تو یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھو اور تسلی کرنی ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرلو جو مصطفیٰ کریم ﷺ سے یہ فرمان سُننے کے بعد مولا علی کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے:

بخ بخ لک یا بن ابی طالب أصبحتَ وَأمسیتَ مولای و مؤمنۃ ومؤمن مولا کُلّ

"اے ابو طالب کے لختِ جگر! مبارک ہو، مبارک ہو کہ آج سے ہر صبح وشام آپ میرے مولا ہیں اور ہر مؤمن مرد اور مؤمن عورت کے مولا بھی آپ ہی ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دانش کو سلام کہ آج مؤمنوں کے مولا ہونے پر مبارکباد دی تو "اے ابو طالب کے نورِ نظر، ابو طالب کے لختِ جگر، ابو طالب کے دلبند، ابو طالب کے فرزند، ابو طالب کے چشم وچراغ" کہہ کر مخاطب کیا جو اس طرف اشارہ تھا کہ سردار ابو طالب کا سردار بیٹا آج سے میرا مولا ہے۔

یہ مناظرِ عشق ووارفتگی دیکھ کر حضرت سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی رگِ محبت بھی پھڑکی تو محبت میں جھوم کر کہنے لگے:

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نَبِيُّهُمْ بِخُمٍّ وَاسْمِعْ بِالرَّسُولِ مُنَادِيَاً
فَقَالَ فَمَنْ مَوْلَاكُمْ وَنَبِيُّكُمْ فَقَالُوا وَلَمْ يَبْدُوا هُنَاكَ التَّعَامِيَا
إِلٰهُكَ مَوْلَانَا وَأَنْتَ نَبِيُّنَا وَلَمْ تَلْقَ مِنَّا فِي الْوَلَايَةِ عَاصِيَاً
فَقَالَ لَهُ قُمْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّنِي رَضِيتُكَ مِنْ بَعْدِي إِمَاماً وَهَادِيَاً
فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا وَلِيُّهُ فَكُونُوا لَهُ أَتْبَاعَ صِدْقٍ مَوَالِيَاً
هُنَاكَ دَعَا اللّٰهُمَّ وَالِ وَلِيَّهُ وَكُنْ لِلَّذِي لَهُ اتْبَاعَ عَلِيًّا مُعَادِيَاً

رسول اللہ ﷺ روز غدیر خم یہ اعلان کر رہے تھے اور واقعتاً کس قدر عظیم اعلان تھا۔ فرمایا: تمہارا مولا اور نبی کون ہے؟ تو مسلمانوں نے صاف صاف کہا: ہمارا معبود ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے نبی ہیں، ہم آپ کی ولایت کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: یا علی اٹھو، کیونکہ میں نے تم کو اپنے بعد امام اور ہادی مقرر کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: جس کا میں مولا و آقا ہوں اس کے یہ علی مولا اور رہبر ہیں، لہٰذا تم سچے دل سے اس کی اطاعت و پیروی کرنا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پالنے والے! اس کے دوست کو دوست رکھ! اور اس کے دشمن کو دشمن۔

ان اشعار کو اہل سنت کے بڑے بڑے علما نے نقل کیا ہے، جن میں سے حافظ ابونعیم اصفہانی، حافظ ابو سعید سجستانی، خوارزمی مالکی، حافظ ابو عبد اللہ مرزبانی، گنجی شافعی، جلال الدین سیوطی، سبط ابن جوزی اور صدر الدین حموی کا نام لیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعائیں محبین علی علیہ السلام کے ساتھ

محبین مولا مرتضیٰ علیہ السلام کو مبارک ہو کہ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سوہنے اور من موہنے علی کے چاہنے والوں کو دعاؤں سے نوازا۔ اپنے رب کی بارگاہ میں التجا و دعا کی:

اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ أَحَبَّهُ
اے اللہ! تو اُس کا ولی بن جا، جو علی کو اپنا ولی مانے
وَأَحِبَّ مَنْ أَحَبَّهُ
اے اللہ! تو اُسے اپنا محبوب بنالے جو میرے علی کو محبوب بنائے
وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ
اے اللہ! تو اُس کی مدد فرما جو علی کو اپنا مددگار جانے مانے

یہی تو وجہ ہے کہ علی والے ڈرتے نہیں، جھکتے نہیں، دبتے نہیں اور بکتے بھی نہیں۔

دشمنانِ علی علیہ السلام کے لیے ابدی ذلت ورسوائی

یہ کسی مقرر، واعظ، خطیب، ادیب، مفکر ومفسر ومؤرخ کا خیال، تبصرہ وتجزیہ نہیں ہے

بلکہ اس ذات پاک کی مقبول و مستجاب دعائیں ہیں جو محبوب رب العالمین بھی ہیں اور خلاصۂ کائنات بھی، انبیاء و مرسلین کے سردار بھی اور شافع روزِ محشر بھی وہی ہیں۔ آقائے دوجہاں ﷺ نے اپنے رب کی بارگاہ میں استغاثہ و فریاد والتجا و دُعا فرمائی:

وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ

اے اللہ! تو اُس سے دشمنی فرما جو میرے علی سے دشمنی کرے

وَاَبْغِض مَنْ اَبْغَضَہُ

اے اللہ! تو اُس سے بغض و عداوت فرما جو علی سے بغض و عداوت رکھے

واخذُلْ مَنْ خَذَلَہُ

اے اللہ! تو اُسے ذلیل و رسوا کر دے جو علی کو جھکانا چاہے

فیصلہ ایمان کا ہے کہ یقین دعائے رسول پر رکھنا ہے یا اپنی عقل و علم و تجربہ و تجزیہ و تبصرہ و مشاہدہ پر جن کا یقین رسول اللہ ﷺ کی دُعا پر ہے وہ تو حیدر حیدر، علی علی، دَم دَم علی علی، دَما دَم علی علی، ہمہ دَم علی علی کر رہے ہیں، کرتے ہی رہیں گے۔

دشمنان و منکرین ولایت و مولایت علی علیہ السلام کو حارث بن نعمان کے حشر نشر سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ مؤلف فیض القدیر شرح الجامع الصغیر درج ذیل روایت بیان کرتے ہیں کہ اعلانِ غدیر کو سُن کر یہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا اور معترض ہوا:

فبلغ الحارث بن النعمان

جب یہ اعلان حارث بن نعمان (منافق) تک پہنچا

فأتى رسول الله صلى الله تعالى عليه واله وسلم فقال:

تو وہ بارگاہِ رسالت میں پہنچا اور کہنے لگا

يا محمد أمرتنا عن الله بالشهادتين فقبلنا

اے محمد ﷺ آپ نے ہمیں اللہ کی طرف سے شہادتین کا حکم دیا تو ہم نے قبول کر لیا

وبالصلاة والزكاة والصيام والحج فقبلنا

پھر آپ ﷺ نے نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کا حکم دیا تو ہم نے اُسے بھی قبول کر لیا

ثم لم ترض

آپ ﷺ اس پر بھی راضی نہیں ہوئے

حتى رفعت بضبعي ابن عمك تفضله علينا

یہاں تک کہ آپ نے اپنے چچا زاد کا ہاتھ بُلند کر کے اُسے ہم پر فضیلت بھی دے دی

فهذا شيء منك أم من الله

یہ اعلان جو آپ ﷺ نے کیا ہے، اپنی طرف سے کیا ہے یا اللہ کا حکم ہے

فقال: والذي لا إله إلا هو

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اُس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

إنه من الله" فولى وهو يقول:

یہ اللہ کا حکم ہے، یہ سُن کر وہ یہ کہتے ہوئے مڑا

اللهم إن كان ما يقول له محمد صلى الله عليه وسلم حقا

اے اللہ! جو محمد ﷺ نے فرمایا ہے اگر وہ سچ ہے

فأمطر علينا حجارة من السماء أو ائتنا بعذاب أليم

تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل کر یا کوئی اور دردناک عذاب دے

فما وصل لراحلته حتى رماه الله بحجر

ابھی وہ اپنے خیمے تک پہنچا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پتھر آیا

فسقط على هامته فخرج من دبره فقتله

جو اُس کے سر پر لگا اور اُس کی دُبر سے نکل گیا اور وہ جہنم رسید ہو گیا

اس واقعہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے علماء و خطباء و واعظین کو ان لوگوں کی حمایت نہیں کرنی چاہیے جنہوں نے مولا علی پاک علیہ السلام سے دشمنی کی۔

حجتِ تامہ و برہانِ کامل

"**من كنت مولاه فعلي مولاه**" اتنا بڑا اعزاز اور منصب تھا کہ جب جب بھی کسی نے مولا علی سے اُلجھنا چاہا تو مولا مرتضیٰ علیہ السلام نے اسی فرمانِ رسول کو حجت بنا کر پیش کیا۔ اپنی ولایت و خلافت کی تائید میں خود پیش فرمایا۔ ابن مغازلی نے مولا پاک یہ شعر مناقب علی میں بیان کیے ہیں:

و اوجب لی ولایته علیکم
رسول الله یوم غدیر خم

رسول اللہ ﷺ نے میری ولایت غدیر خم کے دن تم پر واجب کر دی ہے۔ ایک موقع پر مولا علی علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ جس جس نے تم میں یوم غدیر خم میں یہ سُنا کہ جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اُس کا مولا ہے، وہ اُٹھ کر کھڑا ہو جائے اور گواہی دے تو امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ بارہ بدری صحابہ کھڑے ہو گئے اور بیک زبان کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ علی مولا ہے، علی مؤمنوں کا مولا ہے، علی عاشقوں کا مولا ہے، علی ملنگانِ فقر و سالکین طریقت کا مولا ہے، علی ولیوں، ابدالوں، اقطاب و اغیاث سب کا مولا ہے۔ الفاظ وجد ملاحظہ ہوں:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: شَهِدْتُ عَلِيًّا، فِي الرَّحَبَةِ يَنْشُدُ النَّاسَ: أَنْشُدُ اللهَ مَنْ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَوْمَ غَدِيرِ خُمٍّ: "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" لَمَّا قَامَ فَشَهِدَ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَقَامَ اثْنَا عَشَرَ بَدْرِيًّا، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَحَدِهِمْ، فَقَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّا سَمِعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَوْمَ غَدِيرِ خُمٍّ: "أَلَسْتُ أَوْلَى بِالْمُسْلِمِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، وَأَزْوَاجِي أُمَّهَاتُهُمْ؟" فَقُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: "فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ"

ایک اور موقع پر مولا علی رضی اللہ عنہ نے خطاب فرماتے ہوئے سامعین کو اللہ کی قسم دی کہ وہ حضرت علی کی ولایت و مولایت پر گواہی دیں تو امام حنبل اپنی کتاب فضائل الصحابہ میں ابو طفیل سے روایت کرتے ہیں:

فَقَامَ ثَلَاثُونَ مِنَ النَّاسِ

تو تیس (30) لوگ گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو گئے

قَالَ أَبُو نُعَيْمٍ: فَقَامَ أُنَاسٌ كَثِيرٌ

ابو نعیم کہتے ہیں کہ بہت ہی زیادہ تعداد میں لوگ گواہی دینے کیلئے کھڑے ہوئے

فَشَهِدُوا حِينَ قَالَ لِلنَّاسِ:

وہ سب گواہی دینے لگے کہ ہم موجود تھے جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا

أَتَعْلَمُونَ أَنِّي أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ؟

کیا تم سب نہیں جانتے کہ میں مؤمنوں کو اُن کی جانوں سے محبوب بھی ہوں اور قریب بھی

قَالُوا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ

سب کے سب بولے: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ!

قَالَ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا مَوْلَاهُ

ارشاد فرمایا: ''جس کا میں مولا ہوں، یہ علی بھی اُس کا مولا ہے''۔

اسی طرح کی اور بھی روایات کتبِ احادیث میں موجود ہیں کہ جب مولا علی نے لوگوں کو قسم دی تو مختلف تعداد میں لوگ گواہی قائم کرنے کیلئے کھڑے ہوتے رہے۔ مفہوم یہ ٹھہرا کہ مولا علی پاک کو خود بھی ان محبت آفریں لمحات کو یاد کرنا پسند تھا کہ بار بار خطبوں میں فرماتے، اپنے خطوط میں تحریر فرماتے، اپنے اشعار میں موزوں فرماتے، مخالفین پر حجت قائم فرماتے، معاندین اس دلیل سے رسوا اور لاجواب ہوجاتے، موافقین، محبین اور عاشقوں کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جاتی اور پھر ماحول حیدر حیدر، علی مولا علی مولا کی گواہی سے گونجنے لگ جاتا۔

مولا علی علیہ السلام کی دستار بندی

امام ابوداؤد الطیالسی اپنی مسند میں یہ روایت جمال بھی لے کر آئے ہیں کہ اس اعلان کے موقع پر آقا کریم ﷺ نے باقاعدہ و باضابطہ اپنے علی علیہ السلام کی دستار بندی بھی فرمائی تھی:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ:

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں

عَمَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عمامہ و دستار پہنائی

يَوْمَ غَدِيرِ خُمٍّ بِعِمَامَةٍ سَدَلَهَا خَلْفِي

خم غدیر کے روز جو عمامہ پہنایا، اُس کا شملہ پیچھے چھوڑا

ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَمَدَّنِي

پھر ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ عزوجل نے میری مدد فرمائی''

يَوْمَ بَدْرٍ وَحُنَيْنٍ بِمَلَائِكَةٍ يَعْتَمُّونَ هٰذِهِ الْعِمَّةَ

''بدر و حنین کی جنگوں میں ایسے ملائکہ کے ساتھ جنہوں ایسا ہی عمامہ باندھا ہوا تھا''

فَقَالَ: إِنَّ الْعِمَامَةَ حَاجِزَةٌ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ

پھر ارشاد فرمایا: ''بے شک عمامہ کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔''

اب بات سمجھ میں آتی ہے کہ حافظِ قرآن کو تحفیظ پر، عالم کو تحصیل اور مرید کو تکمیل پر دستارِ فضیلت کیوں پہنائی جاتی ہے تاکہ اُسے مولا علی کی ولایت کی خیرات مل جائے اور غدیر خم کے اعلان کی یاد تازہ ہوجائے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہر ایسی مُبارک محفل میں اعلانِ غدیر کی یاد میں حیدر حیدر اور علی مولا علی مولا کے نعرے تو ضرور ہی لگانے چاہئیں۔

یادِ اعلانِ غدیر کا مزہ

ولایت و مولایت علی المرتضیٰ کچھ اتنا لطف آفرین ہے کہ لوگوں کو جب بھی حضور ﷺ کا کوئی صحابی ملتا تو لوگ جمع ہو کر اُن سے درخواست کرتے کہ وہ اعلانِ غدیر سُنا دیں۔ محبت کی ایسی تڑپتی روایات آئمہ کی کتب میں موجود ہیں مگر اختصار کے پیشِ نظر امام حنبل کی فضائل الصحابہ سے ایک روایت ملاحظہ ہو:

عَنْ أَبِي لَيْلَى الْكِنْدِيِّ أَنَّهُ حَدَّثَهُ

حضرت ابولیلی الکندی سے روایت ہے

قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ يَقُولُ

بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت زید بن ارقم کو یہ فرماتے سُنا

وَنَحْنُ نَنْتَظِرُ جَنَازَةً

جب کہ ہم ایک جنازہ کا انتظار کر رہے تھے

فَسَأَلَهُ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ: أَبَا عَامِرٍ

تو لوگوں میں سے ایک شخص سے سوال کیا: اے ابو عامر!

أَسَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کیا آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سُنا

يَقُولُ يَوْمَ غَدِيرِ خُمٍّ لِعَلِيٍّ:

کہ آپ ﷺ نے خم غدیر کے روز حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ؟ قَالَ: نَعَمْ

جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اُس کا مولا ہے۔ تو فرمایا: ہاں

قَالَ أَبُو لَيْلَى: فَقُلْتُ لِزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ:

ابولیلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم سے یہ پوچھا

قَالَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ،

کیا رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا تھا؟ جواب دیا: بالکل یہی فرمایا تھا

قَدْ قَالَهَا لَهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ

کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تاکیداً چار مرتبہ دہرائی تھی؟ جواباً فرمایا: جی ایسا ہی ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگ جنازوں پر بھی جمع ہوں تو ذکرِ ولایت و مولایت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم شروع ہوجاتا ہے، اصحابِ رسول میں کسی کی زیارت ہوجائے تو لوگ اشتیاق سے پوچھتے کہ

کیا آپ بھی وہیں تھے؟ کیا آپ نے بھی خود سے سُنا؟

کیا آپ نے بھی خود دیکھا؟ کیا آپ نے بھی اسے روایت کیا؟

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کتنی بار دہرائی تھی؟

ذکرِ علی کی محفل

نبیٔ رحمت ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا ''ذکر علی عبادۃ'' کہ حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔ نیز یہ بھی روایت ہے:

أن عائشة كانت تقول: زينوا مجالسكم بذكر علي عليه السلام

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤمنوں کو ہدایت فرمائی کہ اپنی محفلوں کو علی علیہ السلام کے ذکر سے پُررونق بنالیا کرو''۔

لہذا آقا کریم ﷺ نے اپنے غلاموں کے سامنے اپنی اداؤں کا نمونہ قائم کرنے کے لیے اپنے دلدار علی علیہ السلام کی محفل منعقد فرمائی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کے سامنے حضرت علی کا مقام اس طرح بیان فرمایا کہ جس کی مثال تلاش کرنا ممکن نہیں۔

ہمیں تو بس اتنی بات ہی سمجھ میں آئی ہے کہ اگر کسی کو نگاہِ رسول کریم کی خیرات درکار ہے تو وہ علی علی پکارے، حیدر حیدر کے نعرے لگائے، مولا علی کی دہلیزِ کرم پر منگتا بن کر آجائے، علی کا ملنگ ہوجائے، علی کا فقیر بن جائے اور یہی نظریہ امام اہلسنت امام احمد رضا خان کا بھی ہے کہ ازل سے جس کو ولایت ملی ہے، اُسے مولا علی علیہ السلام کی اجازت اور منظوری سے ملی ہے۔

دم دم علی علی، دمادم علی علی، ہمہ دم علی علی

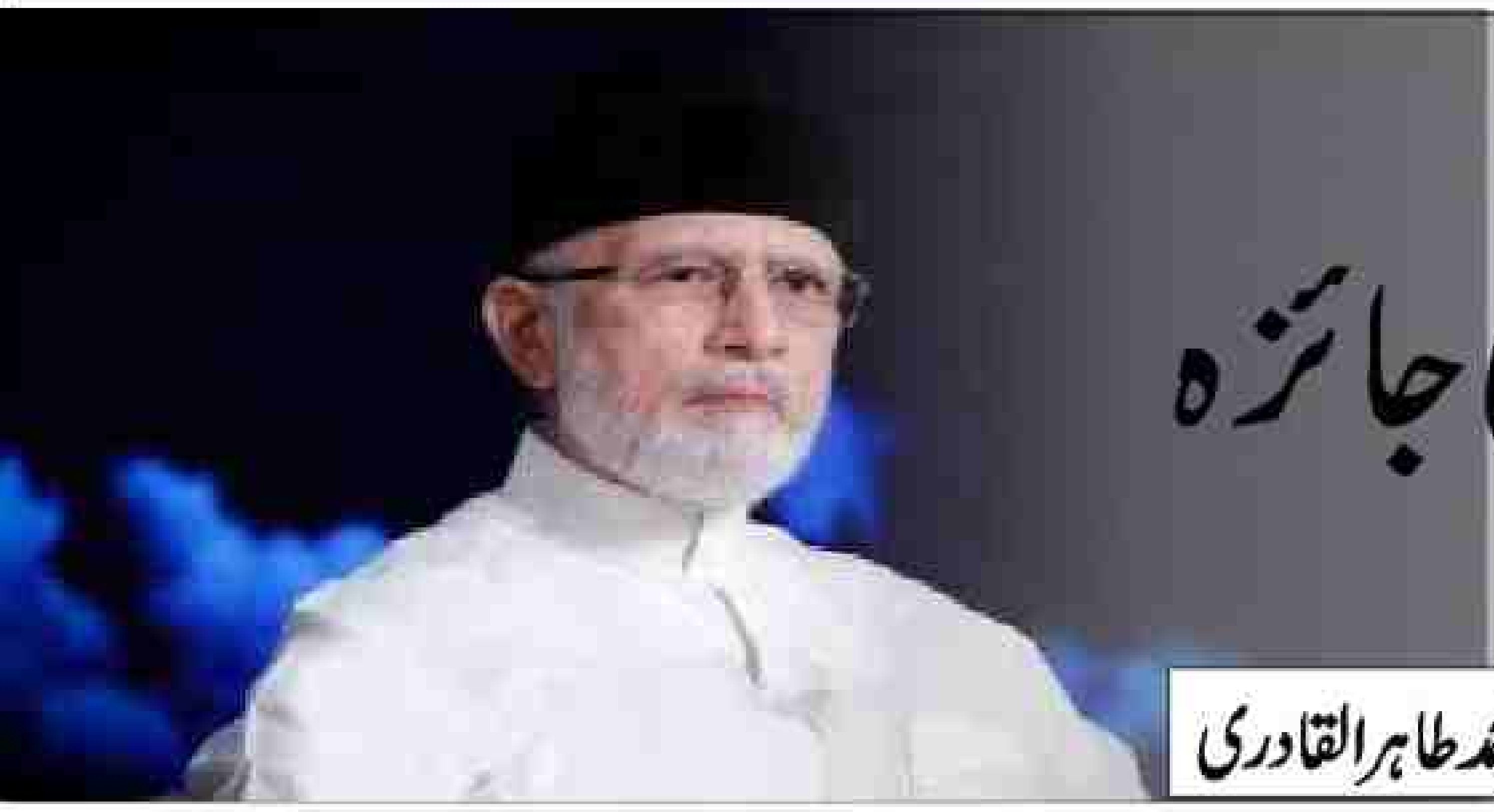

عقیدۂ ختم نبوت کا اجمالی جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

اللہ جل جلالہ تمام کائنات کا خالق و مالک اور پروردگار ہے۔ اس کا نظامِ ربوبیت کائنات کے ہر ہر وجود کو انتہائی سادہ اور پست ترین حالت سے اٹھا کر درجہ بدرجہ منتہائے کمال تک پہنچا رہا ہے۔ اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں چنانچہ اس نے اَمرِ کُن سے یہ بسیط وعریض کائنات اور اس کے اندر موجود مختلف جہان پیدا فرمائے۔ آسمان تخلیق کیے، ان کو بلندیاں عطا کیں۔ فضائی طبقات بنائے، انہیں وسعتیں بخشیں۔ ناپیدا کنار سمندر بنائے، انہیں تموج عطا کیا۔ پہاڑ بنائے، انہیں ہیبت وجلال سے نوازا۔ غرضیکہ ہر ذی روح اور بے روح کو وجود عطا کیا اور اس میں اپنی صفات وکمالات اور حسن وجمال کے کسی نہ کسی پہلو کا عکس اتار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔

(حم السجدۃ: 53:41)

’’ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود ان کی ذاتوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے‘‘۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کائناتِ پست و بالا میں ہر سو اپنے حسن وجمال کے جلوے بکھیر دیے اور اس بزمِ ہستی کو اپنے حسنِ لازوال کا مظہر بنا دیا۔ کائنات کے ہر ہر گوشے میں اس کی صفاتِ مطلقہ کی جلوہ نمائیاں اور اس کے جمالِ جہاں آرا کی رعنائیاں دامن کشِ قلب ونظر ہوئیں، جب قدرتِ خداوندی نے آرائشِ عالم کا سامان کر لیا اور یہ عالمِ رنگ وبو ہر طرح کی حیات کے لیے سازگار ہو گیا تو مشیتِ الٰہیہ نے چاہا کہ کسی ایسی ہستی کو خلعتِ وجود عطا کی جائے جس میں حسن وجمالِ ایزدی کے تمام جلوے مجتمع ہوں چنانچہ اس ارادۂ الوہیت کی تکمیل میں کارخانۂ کائنات میں انسان کو خلعتِ وجود عطا ہوئی۔ ربِّ کائنات نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ o

(التین: 4:95)

’’بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال و توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے‘‘۔

اللہ جل جلالہ نے انسان کو اس انداز سے تخلیق فرمایا کہ ساری کائنات کے جملہ مظاہرِ حسن اس کے پیکر میں سمٹ آئے۔ اس کے اندر ملائکہ کی حقیقت بھی رکھ دی گئی اور حیوانات کی حقیقت بھی۔ اسے جمادات کی حقیقت بھی عطا کر دی گئی اور نباتات کی حقیقت بھی۔ انسان کو ربِ کائنات نے اپنے قہر وغضب کی مظہریت بھی عطا کی اور رافت ومحبت کی آئینہ داری بھی۔ غرضیکہ اسے عالمِ پست وبالا کے جملہ محامد ومحاسن کا مرقع بنا کر منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا گیا۔

1۔ پیکرِ نبوت شانِ ربوبیت کا مظہرِ اَتم ہے

تقاضائے ربوبیت کی تکمیل میں جب جملہ مظاہر حضرتِ انسان میں مجتمع ہو چکے تو مشیتِ ایزدی نے چاہا کہ اب عالمِ انفس وآفاق میں کسی ایسے پیکر کو خلعتِ وجود عطا کی جائے جو تمام اوصاف وکمالاتِ انسانیت کا جامع اور حسنِ الوہیت کے تمام مظاہر کا عکاس ہو۔ اس میں انوار وتجلیاتِ الٰہیہ اپنے پورے نکھار اور کامل شانِ مظہریت کے ساتھ جلوہ گر ہوں۔ چنانچہ اس ارادۂ ایزدی کی تکمیل میں خلاقِ عالم نے پیکرِ نبوت کو وجود بخشا۔ حسنِ الوہیت کے تمام جلوے جو پیکرِ انسانیت میں موجود تھے، ذاتِ ربوبیت کے مظاہر وکمالات جو مختلف طبقاتِ انسانی میں منتشر تھے وجودِ نبوت میں مجتمع کر دیئے گئے اور اس طرح پیکرِ نبوت مظاہرِ حسنِ الوہیت کا امین بن کر معرضِ وجود میں آ گیا۔ حسن وجمالِ نبوت کی مختلف شانیں حاملانِ نبوت میں درجہ بدرجہ تقسیم ہونے لگیں اس طرح کہ ہر حاملِ نبوت جداگانہ شانِ مظہریت کے ساتھ حسنِ الوہیت کی تجلیات کا گہوارہ بنا اور کائناتِ نبوت جملہ مظاہرِ ربوبیت کی امین قرار پائی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔

(البقرۃ: 253:2)

’’یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے‘‘۔

پیکرانِ نبوت کو ایک دوسرے پر کسی خاص فضیلت وخصوصیت کے حوالے سے فوقیت وبرتری عطا ہوئی۔ کوئی کسی کمال میں یکتا ہوا تو کوئی کسی اعتبار سے ممتاز و یگانہ ہوا۔ الغرض کائناتِ نبوت جملہ محاسنِ ربوبیت اور کمالاتِ الوہیت کی جلوہ گاہ بن گئی۔

تمام پیکرانِ نبوت ورسالت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گئے تو ربّ العالمین کی مشیت نے چاہا کہ کوئی ایسا پیکرِ نبوت بھی عالم میں ظہور پذیر ہو جس میں کائناتِ نبوت کے تمام تر محاسن اور خوبیاں جمع ہوں۔ جو حسنِ الوہیت کا مظہرِ اتم بھی ہو اور تمام کمالات وخصائصِ نبوت کا خلاصہ ومرقع بھی ہو۔ جملہ حاملانِ نبوت کو جو گونا گوں فضیلتیں اور اوصاف وکمالات حاصل ہیں اس محبوب ترین ہستی کے پیکر دلربا میں اپنے نقطۂ کمال کو پہنچے ہوئے ہوں۔ چنانچہ جب مشیتِ ایزدی کو یہ منظور ہوا کہ حسنِ کائناتِ نبوت اپنے اتمام کو پہنچے تو ’’ذاتِ محمدی ﷺ‘‘ کو ظہور عطا فرما دیا۔ پیکرِ کمالاتِ نبوت وجودِ مصطفی ﷺ میں ڈھل کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تشریف لے آیا۔

مبداءِ فیض ربّ ذوالجلال کا حسنِ سرمدی پھیلا تو کائناتِ بسیط کو وجود ملا اور سمٹا تو وجودِ مصطفوی ﷺ ظہورِ قدسی کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ وہ پیکرِ نبوت جس کا آغاز مخلوقِ انسانی کے جدِ اعظم

حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا تکمیل کی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا کمالِ حسنِ ایزدی کی شان مظہریت کا پرتو بن کر حقیقتِ مصطفوی ﷺ کے قالب میں ڈھل گیا۔ یہاں ہم قدرے اختصار سے دیباچۂ کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ کی تکمیلِ نبوت تک کے ارتقائی سفر کا جائزہ لیں گے۔

2۔ پیکرِ مصطفی ﷺ سلسلۂ نبوت کا مرجع ہے

ہم یہاں اجمالی طور پر اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ کس طرح سلسلۂ نبوت کا حسن وجودِ مصطفی ﷺ میں اپنے تمام و کمال کو پہنچا۔ دیگر جتنے بھی انبیاء علیھم السلام آئے وہ ظہورِ آدم علیہ السلام سے ولادتِ مسیحؑ تک نسلِ انسانیت کا مرجع تھے، جبکہ حضور ﷺ سلسلۂ نبوت کا مرجع بن کر سب سے آخر میں تشریف لائے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔

(آل عمران:81:3)

’’اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے‘‘۔

اب جہاں دنیا میں پائے جانے والے مختلف طبقاتِ انسانی کے لیے انبیاء پر ایمان لانا لازم ٹھہرا وہاں میثاقِ ازل کے مطابق قدسی صفات حاملانِ نبوت کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کا پابند ٹھہرایا گیا۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کو دین ملا ہے تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کو تکمیلِ دین کی نعمت عطا ہوئی۔ دیگر انبیاء کو اللہ کی بارگاہ سے نعمتِ نبوت ملی اور آپ ﷺ کو اتمامِ نعمت کی شان نصیب ہوئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ۔ (المائدۃ:3:5)

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی‘‘۔

دیگر انبیاء و رسل کسی نہ کسی مخصوص انسانی گروہ، طبقے یا جماعت کی طرف مبعوث ہوئے جبکہ آپ ﷺ ابد الآباد تک جملہ کائناتِ انسانی کی جانب بھیجے گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف:158:7)

’’آپ فرما دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں‘‘۔

گروہِ انبیاء کے دیگر ذی وجاہت افراد کو زمان و مکان کی حدود میں انذار ملا تو آپ ﷺ کو ان حدود سے ماوراء شانِ انذار عطا ہوئی۔ ارشاد فرمایا گیا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا o

(الفرقان:1:25)

’’(وہ اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے (حق و باطل میں فرق اور) فیصلہ کرنے والا (قرآن) اپنے (محبوب و مقرب) بندہ پر نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈر سنانے والا ہو جائے‘‘۔

دیگر انبیاء بلاشبہ رحمتِ حق کے مظہر تھے لیکن آپ ﷺ کو رب العزت نے سراسر اپنی رحمت قرار دیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ o

(الانبیاء:107:21)

’’اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر‘‘۔

گویا آپ ﷺ کو صرف رحمت نہیں بلکہ سرچشمۂ رحمت بنا کر بھیجا گیا اور آپ ﷺ کی رحمت محدود نہیں بلکہ دنیا و عقبیٰ کو محیط ہے۔ دیگر انبیاء علیھم السلام کو خاص خطۂ زمین کی نوازشات عطا ہوئیں تو آپ ﷺ کو کائناتِ ارض و سما کے خزانے ارزانی فرمائے گئے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ۔

1۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الشہید، 451:1، رقم:1279

2۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب أحد یحبنا و نحبہ، 1948:4، رقم:3857

3۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقائق، باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا، 361:5، رقم:6062

4۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقائق، باب فی الحوض، 2408:5، رقم:6218

5۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل باب اثبات حوض، 1795:4، رقم:2296

’’مجھے دنیا کے تمام خزانوں کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں‘‘۔

3۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ ختم نبوت

وجودِ مصطفی ﷺ میں جملہ محاسن و کمالاتِ نبوت اس نقطۂ کمال تک پہنچے کہ اب قصرِ نبوت کا اور کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہ رہا اور نبوت کی رفیع الشان عمارت ہر لحاظ سے مکمل ہو گئی تو سلسلۂ نبوت و رسالت کو ختم کر کے آپ ﷺ کے سرِ انور پر ختمِ نبوت کا تاج سجا دیا گیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا o

(الاحزاب:40:33)

’’محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے‘‘۔

حضور رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے خاتم النبیین ہونے کی خصوصیت کا خود اعلان فرمایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔

1۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الرؤیا، باب ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات، 4: 533، رقم: 2272

2۔ احمد بن حنبل، المسند، 267:3، رقم:13851

3۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 433:4، رقم: 8178

4۔ ابو یعلیٰ نے المسند (38:7، رقم: 3947) میں یہ حدیث مختصر الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

5۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف (6، 173، رقم:

30457)' میں یہ حدیث مختصر الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

6۔ مقدسی، الأحادیث المختارۃ، 7: 206، رقم: 6245

''سلسلہ نبوت و رسالت منقطع ہو چکا ہے سو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی''۔

اپنی شانِ خاتمیت کا اظہار آقائے نامدار ﷺ نے ایک مقام پر انتہائی اچھوتے تمثیلی انداز میں اس طرح بھی فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا، فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ۔

1۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین، 3: 1300، رقم: 3342

2۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ خاتم النبیین، 6: 1790، 1791، رقم: 2286

''بیشک میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک ایسے شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا اور اسے بہت خوبصورت اور عمدہ بنایا لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ رہنے دی، لوگ اس گھر کے گرد چکر لگاتے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی پس میں ہی قصرِ نبوت کی وہ آخری خشت ہوں اور میں ہی آخری نبی ہوں''۔

سلسلہ انبیاء کے ختم ہونے کے بعد قصرِ نبوت کی تعمیر حبیب خدا حضرت محمد ﷺ کی بعثتِ سعیدہ کے ساتھ مکمل ہوگئی، لہٰذا اب جو کوئی دعویٰ نبوت کرے گا کذاب ہوگا۔

4۔ ذکرِ مصطفی ﷺ کی رفعت اور شانِ خاتمیت

تاجدارِ کائنات ﷺ کی شانِ ختم نبوت کو مزید اجاگر کرنے کے لیے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو رفعتِ ذکر کی خلعتِ فاخرہ سے بھی نوازا، ارشاد فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ o

(الم نشرح، 94:4)

''اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا''۔

اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کے ذکر کو اتنا بلند کر دیا کہ جہاں اپنا ذکر فرمایا، ساتھ ہی اپنے حبیب ﷺ کا ذکر کیا اور جہاں رسول ﷺ کا ذکر کیا وہیں اپنا ذکر فرمایا تاکہ سب کو علم ہو جائے کہ قیامت تک آنے والے زمانوں کے لیے یہی میرا آخری رسول ﷺ ہے۔ اب رہتی دنیا تک جہاں اللہ کا نام آئے گا وہیں رسولِ آخر و اعظم ﷺ کا نام آئے گا۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے ہر صاحبِ عقل و فہم کو اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب ﷺ کا ذکر فرماتا ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ ﷺ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیتا ہے:

1۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

(آل عمران، 3:31)

''(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا''۔

2۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ o

(آل عمران، 3:32)

''آپ فرما دیں کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا''۔

3۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

(النساء، 4:59)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو''۔

4۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

(النساء، 4:64)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے''۔

5۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

(النساء، 4:80)

''جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا، بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا''۔

6۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

(النساء، 4:136)

''اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ''۔

7۔ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ۔

(التوبۃ، 9:54)

''اور ان سے ان کے نفقات (یعنی صدقات) کے قبول کیے جانے میں کوئی (اور) چیز انہیں مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے منکر ہیں''۔

8۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ o (التوبۃ، 9:62)

''حالاں کہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ وہ اسے راضی کریں اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول ﷺ کو راضی کرتے، رسول ﷺ کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیوں کہ دونوں کی رضا ایک ہے)''۔

9۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا۔

(التوبۃ، 9:63)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لیے دوزخ کی آگ (مقرر) ہے جس میں وہ

ہمیشہ رہنے والا ہے۔''

10۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (التوبۃ:80:9)

''اگر آپ (اپنی طبعی شفقت اور عفو و درگزر کی عادت کریمانہ کے پیش نظر) ان کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں تو بھی اللہ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ کفر کیا ہے''۔

11۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ٥

(التوبۃ:84:9)

''اور آپ کبھی بھی ان (منافقوں) میں سے جو کوئی مر جائے اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (کیونکہ آپ کا کسی جگہ قدم رکھنا بھی رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے اور یہ آپ کی رحمت و برکت کے حقدار نہیں ہیں) بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں ہی مر گئے''۔

12۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ٥

(النور:52:24)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے پس ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں''۔

13۔ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔

(النور:54:24)

''فرما دیجیے تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو، پھر اگر تم نے (اطاعت) سے روگردانی کی تو (جان لو) رسول (ﷺ) کے ذمہ وہی کچھ ہے جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے، اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے''۔

14۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب:21:33)

''فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ حیات ہے''۔

15۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا٥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ج لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا٥ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا٥

(الاحزاب:33:64_66)

''بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور اُن کے لیے (دوزخ کی) بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے٥ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ نہ وہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار٥ جس دن ان کے مُنہ آتشِ دوزخ میں (بار بار) الٹائے جائیں گے (تو) وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی ہوتی''۔

16۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔

(محمد:33:47)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کیا کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کیا کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو''۔

17۔ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا٥

(الفتح:13:48)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان نہ لائے، تو ہم نے کافروں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے''۔

18۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا۔

(الحجرات:15:49)

''ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے''۔

19۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

(الحشر:7:59)

''اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اسے لے لیا کرو اور جس سے منع فرمائیں سو (اس سے) رک جایا کرو''

20۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا٥

(الجن:23:72)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو بیشک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

ان آیات مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہے کہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ذکر کو جس طرح اپنے ذکر کے ساتھ یکجا کر دیا ہے اس کی غائت اولیٰ و منتہا ختم نبوت ہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے بھی آنا ہوتا تو محبتوں اور عقیدتوں کے وہ نگینے، ادب و احترام کے وہ قرینے، اطاعت و اتباع کے وہ پیرائے اور شان و عظمت اور رفعت ذکر کے وہ زاویے جو صرف آپ ﷺ کے ذکر جمیل کے لیے مخصوص کیے گئے ان میں سے کچھ بعد میں آنے والے کے لیے بھی مختص کر دیے جاتے۔ مگر اللہ رب العزت نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی ساری شانیں اپنے محبوب اولیں و آخریں کو عطا فرما دیں، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنے شاہکار کو پیدا کر کے جیسے اللہ تعالیٰ کی مشیت نے گفتۂ اقبال کی یہ صورت اختیار کر لی ہو:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

باقی آئندہ

عسکری قیادت

محمد بن علوی المالکی الحسینی

سیدالکونین علیہ الصلوۃ والسلام کی پاکیزہ سیرت کا مطالعہ کرنے سے ایسے کئی واقعات وشواہد ملتے ہیں جن سے آپ کی عسکری زندگی کے بے شمار پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں، خصوصاً آپ کے غزوات اور دشمنان اسلام سے معاملات طے کرنے کے سلسلے میں ہمیں ایسے ثبوت ملتے ہیں جن سے آپ کی عظیم قیادت، جنگ کے طریقوں سے کمال واقفیت اور افواج کے نظم ونسق سے متعلق مکمل مہارت کا پتہ چلتا ہے، حالاں کہ آپ نے فنون جنگ اور عسکری انجینئرنگ کا علم کسی مدرسے سے یا کالج سے نہیں حاصل کیا تھا، آپ کی عسکری مہارت کے نمونوں کی جھلک آپ کے جنگی معرکوں دفاعی خطوط اور جنگی نظم و ضبط میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔

کئی مواقع پر قلیل لشکر کے ساتھ کثیر لشکر کا مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی۔ مکہ مکرمہ جوان دنوں آپ کے خلاف حملوں اور مشوروں کا مرکز تھا وہاں آپ فاتحانہ داخل ہوئے۔

یہود کے ساتھ معاہدے کیے، مگر انہوں نے ہر بار عہد توڑا اور اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئے تو آپ نے ان کی جلاوطنی کا حکم صادر فرمادیا۔

میدان جنگ میں آپ بنفس نفیس فوج کی صفیں درست فرماتے، ایک ایک سپاہی کا معائنہ کرتے، غزوۂ بدر کے موقع پر آپ صفیں درست فرمارہے تھے ایک تیر آپ کے ہاتھ میں تھا، کسی سے فرماتے آگے ہوجاؤ اور کسی کو پیچھے ہونے کا حکم فرماتے۔

غزوۂ احد میں آپ نے لشکر اسلام کو منظم کیا، اس وقت آپ کے سامنے اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور ابوسعید خدری کو پیش کیا گیا، آپ نے تمام کو لشکر میں شامل ہونے سے روک دیا۔

غزوۂ احد میں خود صفیں درست فرمائیں، لشکر اسلام کے تمام پہلوؤں کا معائنہ فرمایا اور انہیں مرتب کیا، حفاظتی دستے کو لشکر کے آخر پر رکھا، تیر اندازوں کو حکم دیا کہ جب تک ان کی طرف سے ہدایت نہ ملے اپنی جگہ کو نہیں چھوڑنا، آپ خود مقدمۃ الجیش میں فنون حرب کے ماہرین کے ساتھ ایسے طریقوں پر غور وفکر کررہے تھے جن سے دشمن کو ہزیمت سے دوچار کیا جائے اور ایسے میں حباب بن المنذر کی رائے سے آپ نے اتفاق فرمایا اور وہ اس طرح کہ جب آپ بدر کے مقام پر پہنچے تو پانی کے قریب ترین جگہ پر پڑاؤ فرمایا، تو اس وقت حباب بن منذر نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ جگہ اللہ کے حکم پر آپ کے اختیار کی ہے یا اس کا تعلق آپ کی اپنی رائے اور جنگی حکمت سے ہے؟ آپ نے فرمایا: اس جگہ کو میں نے اپنی رائے اور جنگی حکمت کے پیش نظر منتخب کیا ہے، اس پر حباب بن منذر نے عرض کیا: پھر یہ جگہ مناسب نہیں، لوگوں کو یہاں سے اٹھا دیں تاکہ ہم دشمن سے قریب ترین پانی کے پاس پڑاؤ کریں اور ہم ایک تالاب کھود کر اس کا پانی اس میں اکٹھا کرلیں اور اس طرح ہم وہاں سے پانی پی سکیں گے اور وہ نہ پی سکیں گے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے عقلمندانہ رائے دی ہے اور اس کے بعد تمام لشکر کو وہاں سے اٹھا کر دشمن سے قریب ترین پانی کے پاس اترے، حوض بنایا، اس میں پانی بھر گیا اور مسلمانوں نے اس میں اپنے برتن ڈال دیے۔

اس واقعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ اچھی رائے اور تجویز سے اتفاق کرلیتے تھے اور یہ ایک ماہر جرنیل کا بنیادی وصف ہے۔

آپ میدان جنگ میں دشمن کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کو دھوکے میں ڈالنے کی تدبیریں اختیار کرتے تھے۔ جیسا کہ غزوۂ احزاب میں نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس حاضر ہوکر کہا میں اسلام قبول کرچکا ہوں مگر میری قوم کو اس کا علم نہیں، اب مجھے جیسا حکم دیں میں کروں، آپ نے فرمایا، تم ہم میں اس طرح کے ایک ہی آدمی ہو، تم اپنی قوم یعنی دشمنان اسلام میں جاکر ہماری طرف سے ان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرو کیوں کہ جنگ تو ایک دھوکہ ہے، جاؤ دشمن میں انتشار پیدا کرو اور ان میں ہوشیاری اور حیلے کے ساتھ رہو، اس کے بعد نعیم بن مسعود اپنے مشن پر روانہ ہوگئے، یہود کے ایک قبیلے بنوقریظہ کے پاس گئے جن سے ان کی دوستی تھی اور ان سے کہا: تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ میرا اور تمہارا کس قدر محبت اور خلوص کا تعلق ہے، انہوں نے کہا: بیشک تو نے سچ کہا، پھر نعیم بن مسعود نے کہا: بنوقریش اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کریں اور مدینہ میں مقیم بنوقریظہ کے یہود نے ان کے ساتھ مل کر محمد اور اس کے ساتھیوں کے خلاف لڑنے کا معاہدہ کرلیا ہے، وہ تمہاری طرح نہیں، شہر تمہارا ہے اور وہاں تمہارے اموال، اولاد اور عورتیں موجود ہیں، تم یہ نہیں کرسکتے کہ اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ۔

اگر قریش وغطفان کو فرصت ملی تو وہ اس شہر کو لے لیں گے ورنہ اپنے شہروں کو واپس چلے جائیں گے، تمہیں اسی مدینہ میں محمد اور اس کے ساتھیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ جائیں گے اور اگر وہ تمہارے ساتھ دھوکہ کریں تو تم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، لہٰذا تم محمد کے خلاف قریش سے اس وقت تک مل کر لڑنے کا معاہدہ نہ کرو جب تک ان کے سرداروں کو اپنے پاس رہن کے طور پر نہ رکھ لو، جو اس بات کی یقین دہانی ہوگی کہ سب ہم معاہدہ لوگ اس وقت تک محمد اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کریں گے جب تک انہیں ختم نہ کرلیں، یہ بات سن کر یہودیوں نے نعیم بن مسعود سے کہا: تم نے ہمیں تجویز دے دی ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 35 پر

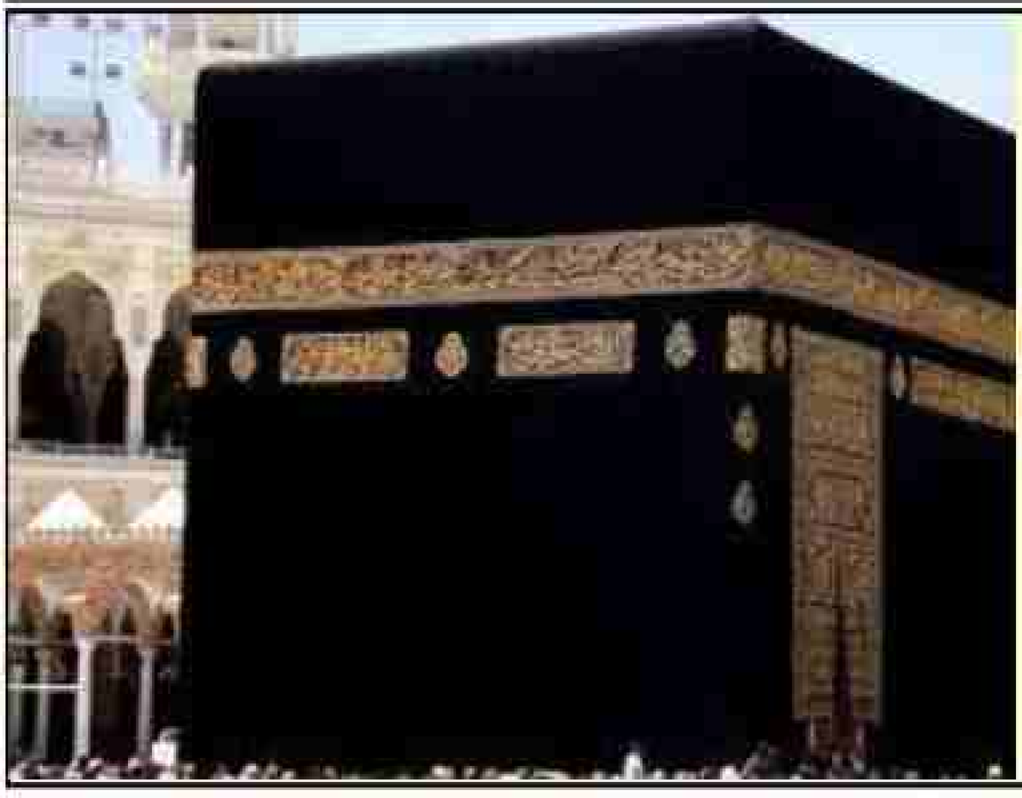

دنیا کے بت کدوں میں وہ پہلا گھر خدا کا

کعبۃ اللہ

محمد امین شرقپوری

ذاتِ جنابِ باری تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تو آپ ﷺ کو مکہ معظمہ کی طرف جو ہنوز غیر آباد تھا، مراجعت کا حکم صادر فرمایا۔ آپ علیہ السلام فوراً تعمیل میں چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی طنابیں کھینچ دیں، اور دریاؤں کی وسعتوں کو اتنا مختصر کر دیا کہ آپ علیہ السلام ایک قدم میں ادھر سے اُدھر پار ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد اسی مقام پر پہنچے جسے آج مکہ معظّمہ کے نام عالیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اگرچہ آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہو چکی تھی لیکن جنت کی مفارقت سے حد درجہ غمزدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر رحم فرمایا اور تسکین خاطر کے لیے جنت کا ایک خیمہ عطا فرمایا جو بیتُ اللہ شریف کی جگہ نصب کر دیا گیا۔ یہ خیمہ کیا تھا، جنتی جواہرات میں سے ایک لعل شب چراغ تھا جس میں سونے کی تین قندیلیں آویزاں تھیں اور ان قندیلوں میں جنت کی شعاعیں رواں رہتی تھیں۔ اس خیمہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک سفید یاقوتی کرسی بھی مرحمت فرمائی تھی جس پر حضرت آدم علیہ السلام جلوس فرما ہوتے تھے۔ فرشتوں کی ہر وقت وہاں حاضری رہتی تھی اور کسی جن کی مجال نہ تھی جو وہاں پَر مار سکے۔ جب تک حضرت آدم علیہ السلام بقیدِ حیات رہے وہ خیمہ بھی قائم رہا۔

لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے انتقال کے بعد وہ خیمہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں نے اس خیمہ کی جگہ مٹی اور پتھروں سے ایک مکان تعمیر کیا جو ہمیشہ آباد رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے اور ان کے بعد کی نسلیں یکے بعد دیگرے اس کی آبادی کا انتظام کرتی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے عہد کے طوفان تک موجود رہا مگر طوفان کے بعد وہ جگہ ایک سرخ ٹیلے کی مانند رہ گئی تھی۔

اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو آپ علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا جس کا حال اسلامی تاریخ میں یوں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں۔ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام جو بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں لیکن اولاد کسی بیوی سے نہیں تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے پروردگار مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما۔ ایک مرتبہ آپ نے دعا کرتے ہوئے اللہ پاک سے کہا کہ اے اللہ اگر تو نے نیک بخت فرزند عطا فرمایا تو اس کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا۔ حق تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور لڑکے کی بشارت دی۔ چنانچہ 92 سال کی عمر میں آپ علیہ السلام کی دوسری بی بی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو اپنی لاولدی کی وجہ سے خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ کو زیادہ چاہنے لگیں اس لیے حضرت خلیل اللہ سے عرض کیا کہ آپ اپنی بیوی اور بچہ کو گھر سے ہی نہیں بلکہ شہر سے نکال دیجئے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھی وحی نازل فرمائی کہ جو سارہ کہتی ہیں وہی کرو۔

حکمِ الٰہی کی تعمیل میں آپ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو عرب کے اس غیر آباد اور چٹیل میدان میں چھوڑ گئے جہاں اب شہر مکہ مکرمہ آباد ہے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیر خوار تھے، آفتاب کی تمازت اور حدّت سے والدہ کا دودھ خشک ہو چکا تھا، آپ گرمی اور پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے۔ بی بی ہاجرہ علیہا السلام فرزند کی بے قراری کو دیکھ کر بے تاب ہو گئیں۔ محبت کے جوش میں پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں کہ کہیں سے پانی مل جائے۔ صفا اور مروہ دو قریب قریب پہاڑ ہیں۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے انہیں دونوں پہاڑوں پر پانی کی تلاش میں سات بار چکر لگائے ہر بار بچہ کے اکیلے ہو جانے کی وجہ سے واپس آ جاتی تھیں اور معصوم کا اضطراب دیکھ کر پھر پانی کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ ساتویں چکر پر جب آپ لوٹ کر آئیں تو آپ نے دیکھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں میں پانی کا ایک چشمہ رواں ہے۔ آپ نے ریت اکٹھا کر کے اس چشمہ کے ارد گرد منڈیر سی بنا دی۔ اس دوران میں گھبراہٹ کے عالم میں آپ کے منہ سے نکلا ''زم زم'' ٹھہر جا ٹھہر جا۔ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے وہ پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پلایا اور خود بھی تسکین حاصل کی۔

اس واقعہ کے تیرہ چودہ برس بعد حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بی بی سے اجازت لے کر اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کو دیکھنے کے لیے ملک شام سے سفر کر کے مکہ پہنچے مگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ واپس آ گئے اور پھر دوسری مرتبہ تشریف لے گئے مگر اس مرتبہ بھی ملاقات نہ ہو سکی۔ تب آپ تیسری مرتبہ وہاں تشریف لے گئے اور بحکمِ خداوندی اسی مقام پر خانہ کعبہ تعمیر کیا جہاں اب تک موجود ہے۔

چونکہ طوفان نوح کی وجہ سے خانہ کعبہ کی پہلی تعمیر آب برد ہو گئی تھی اس لیے حجر اسود بہہ کر جبل ابوقبیس پر آ گیا تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو جبل ابو قبیس سے اٹھا کر بیت اللہ شریف کے ایک طاق میں نصب کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو خانہ کعبہ کا حج کرنے کی ترغیب دی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا واقعہ رونما ہوا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کا حج کر کے شام واپس تشریف لے گئے۔

خانہ کعبہ کی چوتھی تعمیر قوم عمالیق کے عہد میں

ہوئی۔ یہ بنی حمیر کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ پر غالب ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں خانہ کعبہ کی عمارت قدامت اور کہنگی کی وجہ سے گر پڑی تھی۔ چنانچہ اس قوم نے خانہ کعبہ کو انہی بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی تھی۔

پانچویں مرتبہ خانہ کعبہ کو بنی جریم نامی قوم نے تعمیر کیا۔ اس زمانہ میں مضامن بن عمرو الجہی خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ جراہمی امیر نے بیت اللہ کی تعمیر اساس ابراہیمی پر ہی کی تھی۔

چھٹی مرتبہ خانہ کعبہ کی تعمیر نئے طریقہ سے قصی بن کلاب کے ہاتھوں ہوئی، یہ شخص قبیلہ قریش کا ایک مدبر سردار تھا، اس تعمیر کے وقت خانہ کعبہ کی لکڑی کی چھت بنا کر چاروں طرف درختوں کی باڑ لگا دی گئی اور اس پر سادہ غلاف ڈال دیا گیا۔ یہ عمارت سرکار دو عالم ﷺ کے عہد طفولیت تک باقی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے عہد طفولیت میں اس عمارت کو ملاحظہ فرمایا تھا۔ مصنف ”بلوغ الارب“ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سن مبارک 10 سال کا تھا کہ ایک عورت غلاف کعبہ کے پاس بیٹھی ہوئی بخور روشن کر رہی تھی کہ غلاف نے آگ پکڑ لی اور تمام عمارت جل کر خاکستر ہو گئی۔

ساتویں مرتبہ بیت اللہ کی جدید تعمیر قریش نے اپنی قوم سے چندہ کر کے کرائی اور اس میں تصرفات بھی کیے۔ آٹھویں مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا تو مدینہ سے راتوں رات نکل کر بیت اللہ میں جا بیٹھے کہ عظمت کعبہ کی وجہ سے کوئی شخص ان پر حملہ آور نہ ہو۔

جب یزید بادشاہ ہوا تو اس نے 64 ہجری میں مکہ کی طرف ایک زبردست فوج بھیجی۔ چونکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ حرم میں محصور تھے، اس لیے مخالف فوج نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور روغن نفط پھینکا۔

آگ کے شراروں سے غلاف کعبہ مع چھت و درو دیوار جل اٹھا۔ اسی دوران 15 ربیع الاول 64 ہجری کو یزید بن معاویہ کے مرنے کی خبر آئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یزید کی فوجیں واپس چلی گئیں۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جنگ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خانہ کعبہ کی ایک نئی تعمیر کی۔ اس مرتبہ پہلے سے زیادہ خوشنما عمارت بنائی گئی اور کعبہ پر دیباج کا غلاف ڈالا گیا۔

نویں مرتبہ حجاج بن یوسف نائب عبدالملک بن مروان نے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو اس نے 73 ہجری میں چالیس ہزار سپاہیوں کا لشکر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خانہ کعبہ میں محصور ہو کر پورے ایک مہینے تک مخالف فوج کا مقابلہ کیا لیکن دشمنوں کی شرر افشانی اور گولہ باری سے خانہ کعبہ کو بھی کچھ صدمہ پہنچا اس دوران اپنے ساتھیوں کی بیوفائیوں سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ گرفتار ہو کر شہید ہو گئے۔ عبدالملک کے حکم سے حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کی شکستہ عمارت کو گرا کر پھر قریشی بنیادوں پر تعمیر کیا۔

دسویں مرتبہ سلطان مراد خاں اول کے زمانہ میں 1033 ہجری میں بیت اللہ شریف کے ایک قریبی مکان میں آگ لگ گئی اور اتنی بڑھی کہ حرم شریف مع خانہ کعبہ کے نذر آتش ہو گیا۔ سلطان نے از سر نو حرم شریف کی تعمیر شروع کروائی جو 1077 ہجری سلطان سلیم کے عہد میں مکمل ہو سکی۔ بیت اللہ شریف کی یہ آخری تعمیر تھی جو آج بھی ہمارے دیدہ و دل کو روشن کر رہی ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت قائم رہے گی اور اس کی زیارت اور حج سے ہر سال لاکھوں بندگانِ خدا مشرف ہوتے رہیں گے۔

اب احکام مسائل حج کے متعلق بھی کچھ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قارئین کی معلومات کے لیے مختصر طور پر اس فلسفہ کے بارے میں کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

دراصل حج وحدت پرستوں پر اس گھر کی عظمت و عزت کو برقرار رکھنے کے لیے فرض کیا گیا ہے جو دنیا کے بت کدے میں خدا کا پہلا گھر کہلاتا ہے۔ یہ فرض موحدوں پر اس لیے عائد کیا گیا ہے کہ وہ خدا کے اس گھر کی مرکزیت کو قائم رکھیں اور جاذبیت کو فروغ دیں۔ خدا پرستوں پر اس کے مفروض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موحد اول اور اپنے امام و مقتدیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو جاری رکھیں اور اس اہم خدمت کی انجام دہی کے لیے ان کے تمام متبعین انہی کے ہاتھوں بنائے ہوئے مرکز کی طرف کھنچ کر آئیں وہاں ایک دوسرے سے متعارف ہوں اور اپنے مخالفین کے قلوب پر اپنی یک جہتی اور اتفاق کا رعب جمائیں۔

جب کوئی شخص اس اہم فرض کی ادائیگی کا ارادہ کرے اور مکہ معظمہ کے علاوہ کسی اور ملک کا باشندہ ہو تو وہ پہلے میقات احرام یعنی احرام کے مقام معین پر آئے اور شروع ماہ شوال سے لے کر عرفہ و عید الضحیٰ سے پہلے پہلے احرام حج باندھے اور عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہو پھر وہاں سے مزدلفہ میں آئے اور رات کو وہیں قیام کرے پھر عید کے دن صبح سویرے منیٰ میں پہنچ کر کنکر پھینکے اور حجامت بنوا کر احرام سے باہر آ جائے اور پھر مکہ مکرمہ میں حاضر ہو اور بیت اللہ شریف کا طواف کرنے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کے بعد دوبارہ منیٰ میں جائے اور تین روز تک وہیں قیام کرے اور دوران قیام بروز جمعرات کنکریاں مارتا رہے۔ اس کے بعد پھر مکہ معظمہ میں حاضر ہو اور بیت اللہ کا آخری طواف جسے ”طواف وداع“ بھی کہتے ہیں کرے اور اپنے وطن واپس آ جائے۔

میقات پر پہنچنے سے قبل حاجیوں کو احرام کا سامان پہلے سے تیار رکھنا چاہیے۔ یہاں پہنچ کر حجامت اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بدن اور کپڑوں پر خوشبو ملیں۔ سلے ہوئے کپڑے اتار ڈالیں اور ایک چادر اوڑھ لیں اور ایک بطور تہبند باندھ لیں۔ اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر احرام کی نیت کریں۔ جو شخص مکہ معظمہ میں داخل ہو وہ سب سے پہلے مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ جائے اور جب بیت اللہ شریف پر اس کی نظر پڑے تو تکبیر و تہلیل پڑھے۔ پھر اس کے بعد حجر اسود کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور خدائے بزرگ و برتر کی تکبیر و تہلیل، تسبیح و تقدیس بیان کرے ---۔ پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کو بوسہ دے یا ہاتھ لگا کر چوم لے لیکن اس احتیاط اور سلامتی طبع اور شائستگی کے ساتھ کہ نہ کسی کو دھکا دے اور نہ تکلیف پہنچائے، ہجوم کے باعث اگر اتنا موقع نہ ملے تو لکڑی وغیرہ جو ہاتھ میں ہو حجر اسود سے مس کر کے اسے چوم لے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو اور اپنی ہتھیلیاں کانوں تک اٹھا کر اس کی طرف کر دے اور تسبیح و تہلیل پڑھے اور خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ستائش کرے۔ سرکار دو عالم ﷺ پر درود بھیجے۔ پھر کعبہ کو اپنی بائیں طرف چھوڑ کر اپنی دائیں طرف سے طواف کرنا شروع کرے۔ گھوم پھر کر جب حجر اسود پر آئے تو متذکرہ بالا قاعدے کے مطابق بوسہ دے، اب طواف کا ایک پھیرا پورا ہو گیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 27 پر

نبیِ آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نعتوں کا پہلا دیوان

دیوانِ ابی طالب

صفدر ہمدانی

کائنات میں نبی آخر کی شان میں نعتوں کا پہلا دیوان حضرت ابو طالب کا نعتیہ دیوان قرار دیا جاتا ہے۔ شاعری زمانہ نبوت میں ہر شخص کے لیے باعث سعادت سمجھی جاتی تھی اسی تناظر میں حضرت ابوطالب بھی شاعر تھے اور ان کے بے شمار اشعار تاریخ میں ملتے ہیں۔

دیوانِ ابی طالب امام علی رضی اللہ عنہ کے والد ماجد اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کے اشعار کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے جسے ابوہفان مہزمی اور علی بن حمزہ بصری نے مرتب کیا ہے۔ ابوہفان مہزمی دوسری صدی ہجری کے اواخر میں بصرہ میں پیدا ہوئے جبکہ علی بن حمزہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ دیوانِ ابی طالب میں موجود اشعار کی تعداد ابوہفان اور ابن حمزہ کے مطابق تقریباً 400 ہیں لیکن ''الدرۃ الغراء فی شرح شعر شیخ البطحاء'' نامی شعری مجموعہ جو باقر قربانی زرین کی تحقیق اور کوشش سے تدوین ہوئی ہے اس میں اشعار کی تعداد 800 ہیں۔

دیوانِ ابی طالب پر تحقیق کرنے والے محقق محمد حسن آل یاسین کے مطابق وہ دیوانی ابوہفان اور ابن حمزہ سے منقول ہے اس میں حضرت ابوطالب کے تمام اشعار موجود نہیں ہیں بلکہ ان دونوں نے ابوطالب کے بعض اشعار جمع کیے ہیں۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ ابو طالب کے وہ اشعار جو ان کے مؤمن ہونے پر دلالت کرتے ہیں ان کی تعداد 300 سے زیادہ ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ابوطالب کے اشعار کی مجموعی تعداد 4000 سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔

حضرت ابو طالب کا مشہور ایک قصیدہ لامیہ ہے جس کی فصاحت و بلاغت پر مختلف ادیبوں نے تعریف و تمجید کی ہے۔

دیوانِ ابی طالب پر مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں اسی طرح اس کتاب کا فارسی اور اردو میں ترجمہ بھی ہوا ہے۔

دیوان ابی طالب میں موجود اشعار میں حضرت ابو طالب کے وہ اشعار ہیں جنہیں آپ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اور حمایت نیز اسلام کی دفاع میں کہے ہیں، اسی طرح اس میں وہ اشعار بھی موجود ہیں جنہیں آپ نے حبشہ میں مہاجرین کی قیادت کرنے کے دوران جعفر طیار اور زید بن حارثہ کی تعریف میں کہے ہیں، اسی طرح بعض تاریخی واقعات جیسے شعب ابی طالب میں پیغمبر اکرم پر قریش کی جانب سے لگائے گئے اقتصادی اور سماجی پابندی وغیرہ کے بارے میں بھی ان اشعار میں اشارہ ہوا ہے۔

امام علی رضی اللہ عنہ ان اشعار کو یاد کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان کا ایک قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا ابن کثیر نے تذکرہ و تعریف کی ہے۔ یہ سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے اور تمام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا میں ہیں۔ ایک شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا جاں نثار ہوں اور انہیں اللہ کا سچا رسول مانتا ہوں۔ خدا نے انہیں دنیا کے لیے رحمت قرار دیا ہے۔ کوئی ان کا مثل نہیں ہے۔ ان کا معبود ایسا ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی ان سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ ایسا ممتاز ہے کہ ہر بلندی اس کے آگے پست ہے اور اس کی حفاظت کے لیے ہم نے اپنے سینوں کو سپر بنا لیا ہے۔ خدا اس کو اپنی حمایت و حفاظت میں رکھے اور اس کے نہ مٹنے والے دین کو دنیا پر غالب کردے''۔

تاریخ ابوالفداء میں بھی ان کے اشعار موجود ہیں۔ ابوالفداء کے دیے ہوئے اشعار میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے:

''بخدا کفارِ قریش اپنی جماعت سمیت تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں زمین میں دفن نہ ہوجاؤں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو جو خدا کا حکم ہے اس کا بے خوف اعلان کرو۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم نے مجھ کو اللہ کی طرف دعوت دی ہے۔ مجھے تمہاری صداقت و امامت کا محکم یقین ہے اور تمہارا دین تمام مذاہب عالم سے بہتر اور ان کے مقابلے میں کامل تر ہے''۔

سیرت ابن ہشام میں بھی ان کے اشعار موجود ہیں۔

دیوان ابی طالب پر مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سے چار بہت اہم ہیں:

- الدّرۃ الغراء فی شعر شیخ البطحاء، ترتیب، تحقیق وپیشکش: باقر قربانی زرین۔ یہ عربی شرح ہے
- غایۃ المطالب فی شرح دیوان ابی طالب، تحریر: محمد خلیل خطیب مصری۔ یہ بھی عربی شرح ہے
- شہاب ثاقب فی شرح دیوان ابی طالب، تحریر: سید سبط حسن ہنسوی، یہ اردو زبان میں ہے
- دیوان ابی طالب، تحقیق: محمد تونجی جس کا فارسی میں ترجمہ سیدہ رقیہ احمدی نے کیا ہے۔

میڈیکل سائنس (علم طب) اور مسلم سائنسدان

بہت سے علوم خصوصاً سائنس کے بنیادی علوم پر مسلم سائنسدانوں کا کلیدی کام ہے۔ جس کی بنا پر جدید دور کے بہت سے علوم پروان چڑھے ہیں۔ یہ بدقسمتی ہے کہ بعد میں مسلمانوں نے ان پر توجہ نہیں دی اور اغیار نے نہ صرف ان پر مزید تحقیق کرکے بہت سے پہلو روشن کیے بلکہ متذکرہ بالا بنیادی اور کلیدی علوم کا سہرہ بھی مسلمانوں کی بجائے غیر مسلم سائنسدانوں کے سر سجا دیا۔ اصل بات جو نوجوانوں کے لیے قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ نامساعد حالات، وسائل کی عدم دستیابی، لائبریریوں اور کتب کے حصول میں مشکلات، ذرائع آمدورفت نہ ہونے کے برابر، حکمرانوں کے ظلم وستم الگ، اس کے باوجود ایسا عظیم الشان کام کہ ان کی عظمت کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس مضمون میں ہم نے صرف میڈیکل علوم کا مختصر سا جائزہ پیش کیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

علم طب میں مسلمان علماء نے بے مثال کام کیا ہے بہت سی بیماریوں کی تشخیص، علاج، ادویات اور اصول و قانون علاج وغیرہ پر ایسی نادر تصنیفات کیں جو بعد میں کئی صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں بطور نصاب شامل رہی ہیں۔ دانشوروں کا کہنا ہے کہ ''طب مردہ ہوگیا تھا' جالینوس نے اسے زندہ کیا۔ وہ منتشر اور پراگندہ ہوگیا تو رازی (ابوبکر بن ذکریا رازی (925-864ء) نے اسے مرتب کرکے ایک شیرازے میں منسلک کردیا۔ وہ ناقص ہوگیا۔ ابن سینا نے اس کی تکمیل کی (ابن خلکان 782ء)

علم طب میں ایک شہ پارہ ''القانون فی الطب'' تاریخ کی سب سے اثر آفرین تصنیف ہے کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے جس کو علم طب کا پانچ جلدی انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے جو اسلامی دنیا میں رائج اور زیر استعمال طبی علوم اور طریقہ کار کے ساتھ ساتھ ہندوستانی، چینی، یونانی اور رومن طبی روایات اور طریقہ علاج کا احاطہ کرتا ہے۔ میڈیکل سائنس میں یہ ابن سینا کا عظیم الشان کارنامہ شمار ہوتا ہے۔ پہلی کتاب میں علم طب کا عمومی سا تعارف اور مختلف انسانی اعضاء کی تشریح اور فعالیت کی وضاحت کی گئی ہے۔ ابن سینا اس کتاب میں علم طب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''علم طب ایک ایسی سائنس ہے جس میں ہم انسانی جسم کی مختلف حالتوں سے واقف ہوتے ہیں' جب یہ بیمار ہوتا ہے تو کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی صحت کو بحال کیسے کیا جائے گا اور جب یہ تندرست ہوتا ہے تو بیماری کے اسباب معلوم کرتے ہیں جو بیماری لاحق ہوسکتی ہے لہذا طب ایک فن ہے جس کا مرکز نگاہ انسانی جسم کی تندرستی اور درست فعالیت کا استحکام ہے''۔

کتاب کا دوسرا حصہ 800 کے لگ بھگ ادویات کی معلومات فراہم کرتا ہے جن کو حروف تہجی کے حساب سے ترتیب دیا گیا ہے جس میں ادویات کی تاریخ، ماخذ، استعمال اور تیاری پر سیر حاصل تفصیل شامل ہے۔ ادویات کی تیاری کے لیے عمومی ضابطہ اور آزمائش پر بحث کی گئی ہے تیسرے حصے میں تقریباً جسم کے ہر عضو کی کارکردگی اور انفرادی بیماریوں کا تفسیری بیان ہے ان بیماریوں کی علامات، تشخیص اور علاج و ادویہ پر روشنی ڈالی گئی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کتاب کے اس حصے میں نیوروسائنس اور امراض دماغ پر بھی ایک باب تحریر کیا گیا ہے تو یقیناً یہ ہمارے لیے حیران کن ہے کہ اس دور میں جب معلومات کی فراہمی بہت کم تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے دماغ کی امراض پر تحریر کیا۔ یاد رہے کہ ابن سینا قرون وسطی کے سنہری اسلامی دور کے اعلیٰ ترین مفکر، فلسفی اور عالم طب تھے۔ انہوں نے طب کے علاوہ فلکیات، کیمیا، جغرافیہ، ارضیات، نفسیات، منطق، اور طبیعات پر 450 کے قریب کتب تحریر کیں۔

ابن سینا کی طبی کاوشوں اور ان کی شہرہ آفاق تصنیف کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا۔

عظیم سائنسدان اور فلسفی ابوبکر بن ذکریا رازی پہلا شخص ہے جس نے ابتدائی طبی امداد (First Aid) کا طریقہ ایجاد کیا اور اس کے رہنما اصول وضع کیے۔ انہوں نے دواؤں کے صحیح وزن کے لیے ''میزان طبعی'' ایجاد کیا۔ یعنی ایک ایسا ترازو جس میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کا صحیح وزن معلوم کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے موروثی اور متعدی امراض کا نظریہ بھی پیش کیا۔ (سو عظیم مسلم سائنسدان)۔

اگرچہ رازی نے دوسو کتب تحریر کیں لیکن ان میں سے تقریباً نصف طب کے علاوہ دیگر مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان کی معرکۃ الآرا تصنیف ''الحاوی'' ہے جو پچیس (25) جلدوں پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں سب سے بڑا طبی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں طب کے ہر مسئلے پر تمام یونانی اور عربی آراء نقل کی گئی ہے۔ اس کتاب میں یونان، ہند اور ایران کے عوام کو ایک ہی نظام میں مربوط کردیا گیا۔ اس تصنیف کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس عظیم حکیم نے ایک لاعلاج مرض چیچک کا علاج بھی دریافت کیا۔ ان کی کتب سینکڑوں برس تک یورپ کے تعلیمی اداروں میں شامل نصاب رہی ہیں۔ یہ دانشور گندھک کے تیزاب کا موجد مانا

جاتا ہے۔ جو جدید کیمسٹری کی بنیادی اینٹ تسلیم کیا جاتا ہے اور بعض ذرائع کے مطابق الکوحل بھی رازی نے ہی ایجاد کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عظیم سائنسدان اپنے فن کا واقعی امام تھا۔ ان کی طبی خدمات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی طبی کانفرنس کا جو اجلاس 1913ء میں لندن میں منعقد ہوا اس میں ان کو "طب کا ڈاکٹر" تسلیم کیا گیا۔ دوسری دفعہ یہ اجلاس 1930ء میں انعقاد پذیر ہوا تو اس میں بھی ان کو "طب کا ڈاکٹر" کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

امام رازی کی دوسری تصنیف "کتاب المنصوری" ہے۔ یہ کتاب دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان کی تیسری اہم تصنیف "الجدری والعصبہ" ہے یہ پہلا رسالہ ہے جس میں چیچک کو خسرے سے الگ تسلیم کیا گیا اور ان دونوں بیماریوں کی تفصیل بڑی صحت کے ساتھ پیش کی گئی۔ رازی سے قبل کسی بھی سائنسدان نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا تھا۔ رازی نے ہی چیچک کی تشخیص اور اس کے اسباب و علاج کو تجویز کیا۔ اس کی وجہ سے انہیں اپنے وقت میں لازوال شہرت ملی۔ ان کی دیگر اہم کتب میں "الفصول والطب" "کتاب الطب الملوکی" اور "کتاب الاسرار" ہیں۔

امام رازی پہلا سائنسدان ہے جس نے جراثیم (Bacteria) اور تعدیہ (Infection) کے مابین تعلق معلوم کیا جو کہ طبی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی سوچ فکر کا زاویہ ملاحظہ ہو کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ بغداد میں ہسپتال کس مقام پر بنایا جائے تو انہوں نے تجویز دی "جہاں ہوا میں لٹکا ہوا گوشت دیر سے خراب ہو اسی مقام پر ہسپتال بنایا جائے۔

شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہو کہ آج کا مہذب اور ترقی یافتہ معاشرہ بھی انیسویں صدی کے وسط تک جراثیم کی ہلاکت خیزی سے واقف نہیں تھے اور عام آدمی تو دور کی بات خود معالجین اور حکما طبی معائنے اور جراحی کے بعد صرف پانی سے ہاتھ دھو لینا کافی سمجھتے تھے اور جسمانی صفائی پر خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے تھے۔ لوئی پاسچر نے جراثیم اور خردبینی جانداروں سے خبردار کیا۔ ایک اور انگریز جوزف لسٹر نے اس تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے جراثیم کش دوا تیار کی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ لوئی پاسچر تو 1895ء میں اور جوزف لسٹر 1912ء میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

لیکن ان ناموروں سے لگ بھگ پانچ صدی قبل ایک مایہ ناز مسلم طبیب اور محقق لسان الدین ابن الخطیب (1374ء) گزرے ہیں جنہوں نے جراثیم کے ذریعے طاعون پھیلنے کا نظریہ دیا تھا۔ انہوں نے امراض کی دو اقسام متعدی اور غیر متعدی بتائی تھیں۔ ان کی تحقیق تھی کہ امراض پھیلنے کی وجہ ایک نہایت باریک کیڑا ہے جسے انسان دیکھ نہیں سکتا۔ چودھویں صدی میں طاعون کی وبا نے یورپ میں تباہی مچا دی تھی۔ طاعون کو سیاہ موت (Black Death) اور عربی میں موت الاسود کا نام دیا گیا تھا۔ اس موذی مرض نے یورپ کی دو تہائی آبادی کو لقمہ اجل بنا ڈالا تھا۔ مشرق وسطی، ہندوستان اور چین کو ملا کر ساڑھے سات کروڑ انسان طاعون کا شکار ہوئے تھے اور اس وقت طاعون کو لاعلاج سمجھا جاتا تھا۔ ایسے میں ابن الخطیب نے اس دور کے دستیاب وسائل اور علم کے زور پر طاعون پر تحقیق کی اور انکشاف کیا کہ طاعون ایک متعدی بیماری ہے، لہذا مریض کے زیر استعمال کپڑے اور اشیاء کو صحت مند انسان ہاتھ نہ لگائیں ورنہ یہ بیماری ان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ اگرچہ اس سے قبل بھی حافظ ابن حجر عسقلانی (وفات 843ء) نے طاعون اور وبائی امراض کے حوالے سے ایک شاہکار انسائیکلوپیڈیا "بذل الماعون فی فضل الطاعون" کے نام سے 444 صفحات پر تصنیف کیا تھا۔ اسلامی سپین کے جلیل القدر طبیب اور فلاسفر ابن رشد (1198ء) نے تہلکہ خیز انکشاف کیا کہ ایک بار چیچک ہونے کے بعد دوبارہ نہیں ہوتی۔ اس انکشاف نے چیچک کے علاج معالجہ میں بہت مدد کی۔

اندلس جہاں ہمیں شان و شوکت، رعب و دبدبہ اور سلطنت کے عروج و زوال کی داستانیں سناتا ہے وہاں اس زمانے کے مسلمان سائنس دانوں کے کارہائے نمایاں بھی ہمارے سامنے رکھتا ہے جس سے اقوام عالم خصوصاً یورپ نے بھرپور استفادہ کیا۔ تجربات اور تحقیق سے متعدد امراض کا علاج دریافت کرنے والے اور کئی کتب کے مصنف ابن زہر بن ابو مروان عبدالملک (1091-1161ء) ہیں ان کی ایک کتاب میں بہت سی امراض اور ادویہ کی تفصیل محفوظ ہے سب سے پہلے انہوں نے سانس کی نالی کی جراحی کی۔ غذائی عمل سے متعلق تجربات کئے۔ ان تجربات کی بنا پر انہیں بہت زیادہ شہرت ملی۔ ان کی طبی تصانیف میں کتاب التیسیر فی المداوات والتدبیر اور کتاب الاقتصاد فی الاصلاح النفس والاجساد بڑی اہم ہیں۔ ان کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا گیا۔ ابن زہر نے نظام انہضام و امراض معدہ کے علاوہ جسم کے مختلف اعضاء کی کیفیت و حالت اور طبی شکایات اور پیچیدگیوں پر تحقیق کرتے ہوئے اپنے مشاہدات اور تجربات کو بیان کیا ہے۔ ابن زہر دنیا کا پہلا پیرا سائٹولوجسٹ (Parasitologist) تھا جس نے خارش کے کیڑوں (Scabies) کے بارے میں تفصیل بیان کی۔ علاوہ ازیں طب میں اس کی پانچ دریافتیں قابل ذکر ہیں۔ رسولی (Tumors)، درمیانی کان کا التہاب (Inflationof middle ear)، التہاب غلاف قلب (Paricarditis)، فالج حلقوم Paralysis of (pharynx) اور قصبۃ الریہ کی عملی جراحی (Tracheotomy.)

خون کے بارے میں تحقیق اور دوران خون (Blood Circulation) کے بارے میں نظریات ابن نفیس (1210ء) نے پیش کیے۔ ان کا اصل نام "الحسن علاؤالدین علی بن ابی الحزم" ہے انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ انسان کی زندگی اور صحت کا راز اس کے خون کے نظام میں مضمر ہے۔ انسانی جسم میں خون کی اہمیت سے اطباء بہت پہلے سے واقف تھے۔ لیکن وہ اس بات کو دریافت نہ کر سکے کہ دل سے نکلنے کے بعد خون دائیں خانے سے نکل کر براہ راست بائیں خانے میں چلا جاتا ہے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہ تھا کیونکہ وہ دل کے اندر دونوں خانوں کے درمیان میں کسی راستے کی نشاندہی نہ کر سکے۔ ابن نفیس نے دیکھا کہ خون جب دل کے دائیں خانے میں پہنچتا ہے تو اس وقت وہ پتلا ہو چکا ہوتا ہے اس کے بعد قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خون دل کے بائیں خانے میں چلا جاتا ہے لیکن کیسے؟ کیونکہ دل کے دونوں خانوں کی درمیانی دیوار میں کوئی نالی یا سوراخ نہیں ہے اور دل کے عضلات اتنے موٹے اور سخت اور مسام اتنے تنگ ہوتے ہیں کہ خون ان میں سے بھی نہیں گزر سکتا۔ ابن نفیس نے اندازہ لگایا کہ یہ خون دل کے دائیں خانے سے پھیپھڑوں میں سے شریان کے راستے واپس جا کر پھیل جاتا ہے اور اس میں ہوا شامل ہو جاتی ہے تو یہ خود دل کے بائیں خانے میں چلا جاتا ہے ابن النفیس نے یہ انکشاف 1242ء میں کیا۔ انہوں نے آج کی حد بند

سائنس سے کئی سو سال پہلے پھیپھڑوں کی گردش (Lung Circulation) تفصیل سے بیان کی تھی۔ 1252ء میں ابن النفیس کی ایک غیر مطبوعہ کتاب ''کتاب الشامل فی الصناع الطبیہ'' منظر عام پر آئی۔ اس کتاب نے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا۔ کسی بیماری سے محفوظ رہنے کے لیے اسی بیماری کے جراثیم کا ٹیکہ (Inoculate) لگانے کا سب سے پہلے عمل ترکی میں شروع ہوا۔

ہسپتال اور طبی تعلیم
(Hospitals&Medical Education)

ہسپتالوں کا منظم انتظام

موجودہ سائنسی اور طبی طرز فکر کی تشکیل میں اسلامی معاشرے نے اہم کردار ادا کیا ہے بے شمار مسلم اہل علم اور طبی معالجین نے مستند تحقیق کے ذریعے آنے والی صدیوں کے لیے علمی خزانے چھوڑے ہیں۔ مسلم دنیا کا ہسپتال (بیمارستان) یعنی بیمار افراد کی جائے پناہ' نہ صرف جدید ہسپتال کا حقیقی پیش خیمہ تھا بلکہ جدید ہیلتھ کیئر سروس اور طبی تعلیم کے لئے سنٹر ایک عملی نمونہ تھے۔ اس دور کے ہسپتال حقیقتا نفسیاتی پناہ گاہیں تھیں۔ جہاں عمر رسیدہ افراد اور ذہنی وجسمانی معذور افراد کو بنیادی دیکھ بھال فراہم کی جاتی تھی۔

میڈیکل کی تعلیم وتربیت

دور جدید کے میڈیکل کالجز کی طرح وہاں بھی ہسپتالوں کے ساتھ لائبریریاں منسلک تھیں سینئر معالجین طلبہ کو اپنے سیکھے ہوئے علم کی روشنی میں براہ راست مریضوں کے علاج میں رہنمائی کرتے تھے۔ ہسپتالوں میں طلباء کے امتحانات لیے جاتے اور ڈگریاں دی جاتی تھیں۔ نورالدین بیمارستان (یا نوری ہسپتال) دمشق کا ہسپتال اور میڈیکل سکول تھا جو بارہویں صدی میں قائم ہوا تھا۔ اور آج عرب دنیا میں میڈیسن اور سائنس کے میوزیم کے طور پر موجود ہے۔ یہ ہسپتال پندرہویں صدی تک معیار اور سہولیات کے حوالے سے سب سے آگے تھا۔ ہسپتالوں کے ساتھ وسیع لائبریریاں تھیں چودھویں صدی میں مصر کے ابن طولون ہسپتال کی لائبریری میں ایک لاکھ کتب تھیں جبکہ اس وقت یورپ کی سب سے بڑی پیرس یونیورسٹی کی لائبریری میں چار سو کتب تھیں۔ ہر ہسپتال میں بڑے لیکچر تھیٹر موجود تھے۔ جہاں طلباء، ڈاکٹرز اور میڈیکل آفیسرز سے مل کر علمی مذاکرے (Seminar) کے انداز میں طبی مسائل پر بحث و تمحیص کرتے تھے جب تربیت آگے بڑھتی تو عملی تجربہ کے لیے طلباء کو جدید میڈیکل تعلیم کی طرح سینئر ڈاکٹر وں کے ساتھ میڈیکل وارڈ میں مریضوں کی دیکھ بھال سونپی جاتی۔ تربیت کے اختتام پر میڈیسن پریکٹس کا لائسنس حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ امتحان ہوتا انہیں ایک مقالہ (Thesis) بھی لکھنا ہوتا اور چیف میڈیکل آفیسر کے سامنے حاضر ہو کر زبانی امتحان (Vivavice) بھی دینا ہوتا تھا۔

حرکت پذیر ڈسپنسریاں
(Mobile Dispensrias)

اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا اور مشہور طبی نگہداشت کا مرکز رسالت مآب ﷺ کے دور ہمایوں میں غزوہ خندق کے دوران قائم ہوا۔ حضرت رفیدہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے بطور سماجی کارکن نرس اور سرجن کے فرائض سرانجام دیے۔ یہی عظیم خاتون تھیں جنہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بہت سی صحابیات کو طبی تربیت دی۔ حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا نرسنگ کی بانی سمجھی جاتی ہیں۔ غزوہ خیبر میں بھی آپ رضی اللہ عنہا اپنی ٹیم کے ہمراہ شریک ہوئیں۔ یہ ایک موبائل ڈسپنسری کے ساتھ زخمی مجاہدین کو طبی امداد مہیا کرتی رہیں۔ امن کے دوران آپ رضی اللہ عنہا سماجی امور اور حفظان صحت کے امور کی نگرانی کرتی رہتیں تھیں۔

حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا مشرق وسطی کے ممالک کی پہلی خاتون تھیں جنہوں نے علاج کے لئے عمل جراحی یا سرجری کی تکنیک استعمال کیں۔ نرسنگ کے میدان میں اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں آغا خان یونیورسٹی ہسپتال کراچی نے اپنے کالج آف نرسنگ کا نام آپ کے نام رکھا ہے جبکہ یونیورسٹی آف بحرین نرسنگ کے میدان میں سالانہ رفیدہ الاسلمیہ پرائز سے نوازتی ہے اور ہمدرد یونیورسٹی دہلی نے حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کے نام سے ایک نرسنگ کالج قائم کر رکھا ہے۔ ہر سال بحریہ یونیورسٹی میں رائل کالج آف سرجنز ان آئرلینڈ کی طرف سے کامیاب طلباء کو نرسنگ میں رفیدہ الاسلمیہ انعام سے نوازا جاتا ہے۔ مریضوں کی بہترین دیکھ بھال کرنے والے کو یہ انعام ملتا ہے۔

بعد میں مسلم حکمرانوں نے ایسے خیموں کو حرکت پذیر موبائل ڈسپنسریوں میں تبدیل کر دیا جو ادویہ' کھانا' مشروبات' کپڑے' ڈاکٹر اور فارماسسٹ سے مکمل لیس ہوتی تھیں۔ بارہویں صدی کے ابتدائی دور میں سلجوق سلطان محمد سلجوقی کے عہد میں موبائل ہسپتال اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کیلئے 40 اونٹوں کی ضرورت پڑتی تھی۔

مستقل ہسپتال

پہلا باقاعدہ اور مستقل ہسپتال آٹھویں صدی کے اوائل میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں دمشق میں تعمیر ہوا جو کہ صرف کوڑھیوں کے لئے ایک پناہ گاہ تھی۔ تاہم پہلا جنرل ہسپتال تقریباً ایک صدی بعد 805ء میں بغداد میں خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر نے بنایا پھر یہ ہسپتالوں کا سلسلہ جاری ہو گیا اور اگلی چند دہائیوں میں اسلامی دنیا میں 34 ہسپتالوں کا اضافہ ہوا ان ہسپتالوں میں آنکھوں کے ڈاکٹر' سرجن' ہڈیوں کے امراض کے ڈاکٹر اور کئی ایک شعبے قائم تھے۔ ہسپتالوں کی تنظیم بہترین اور علاج معالجہ بالکل مفت ہوتا تھا صفائی ستھرائی کا نظام بہت اعلیٰ تھا۔ یہاں زیادہ تفصیل دینے کی بجائے تیرہویں صدی عیسوی میں قاہرہ کے ایک ہسپتال کا پالیسی بیان کافی ہوگا:

''ہسپتال تمام مریضوں' مردوں اور خواتین کو اس وقت تک داخل رکھے گا جب تک وہ مکمل صحت یاب نہ ہو جائیں۔ ان کے تمام تر اخراجات ہسپتال برداشت کرے گا''۔

(المنصور قلادون بیمارستان قاہرہ 1284ء)

علم بصریات (Optics)

مسلمانوں نے بصریات (Optics) کے میدان میں غیر معمولی عظمت حاصل کی۔ مختلف مسلم اطباء نے اپنے اپنے دور میں آنکھوں کے مختلف حصوں کی تشریح کی اور روشنی اور آنکھ کے نظریہ کی وضاحت کی۔ افلاطون اور کئی دیگر قدیم یونانی حکماء کا نظریہ تھا کہ انسان کی آنکھوں سے شعاعیں خارج ہوتی ہیں جن کے ذریعے اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ دسویں صدی عیسوی کا عظیم مصری ریاضی دان اور ماہر طبیعات ابن الہیثم (1039-965ء) وہ پہلا شخص ہے جس نے اس نظریے کی تردید کی اور ثابت کیا کہ روشنی ہماری آنکھ میں داخل ہوتی ہے، تو ہم دیکھتے ہیں انہوں نے اپنے اس نظریہ بصارت کو ثابت کرنے کے لیے ریاضی کا سہارا لیا، جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔

بقیہ صفحہ نمبر 35 پر

ماہ ذی الحجہ کے عشرہ کی فضیلت

ذیشان کلیم معصومی

اسلامی سال کے آخری اور بارہویں مہینے کا نام ذی الحجہ ہے۔ یہ مہینہ چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔اس ماہ مبارک میں اللہ اپنے بندوں کو خصوصی انعامات سے نوازتا ہے۔ اس ماہ عبادت کرنے کا بڑا اجر وثواب ہے بالخصوص اس کے پہلے دس دنوں کی اتنی فضیلت ہے کہ اللہ نے ان دس دنوں کو قرآن مجید میں ایام معلومات کہا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ ”اور اللہ کے نام لیں جاتے ہوئے دنوں میں“ اور یہ دس دن حجاج اور غیر حجاج سب کے لیے نہایت بابرکت ہیں۔حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اور دس راتوں کی قسم اس سے ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہی مراد ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ فرماتے ہیں جن دس راتوں کی اللہ نے قسم کھائی ہے وہ دس راتیں ذی الحجہ کی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ کے دنوں سے افضل کوئی دن نہیں اور ایک اور روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اور ان (عشرہ ذی الحجہ) کی راتوں سے بڑھ کر کوئی رات نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک روایت میں عشرہ ذی الحجہ کو افضل ایام الدنیا یعنی دنیا کے دنوں میں افضل ترین دن بھی کہا گیا جب یہ دن اللہ کے نزدیک افضل ترین دن ہیں تو ان ایام میں اللہ کی عبادت بندگی اعمال صالح انجام دینا بھی یقیناً اللہ کو بہت پسند ہوگا چنانچہ کئی روایات میں منقول ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ان دس دنوں کے مقابلے میں (عشرہ ذی الحجہ سے بڑھ کر) کوئی دن ایسے نہیں جن میں نیک اعمال اللہ کو بہت زیادہ محبوب ہوں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا اللہ کے راستے میں جہاد بھی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ اللہ کے راستے میں جہاد، ہاں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور اپنے مال سے (اللہ کے راستے میں) نکلے پھر اس میں سے کسی چیز سے بھی واپس نہ لوٹے (یعنی شہید ہو جائے)۔اس حدیث پاک کے مفہوم سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اس ماہ ذی الحج میں کوئی چھوٹی سی نیکی بھی ہو وہ اللہ کے نزدیک اور ایام میں جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہے اس عشرہ میں تکبیر تحلیل کی کثرت کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ان دس دنوں میں بازار کی طرف نکل جاتے اور بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے اور ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی تکبیر پڑھتے تھے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو ان دس راتوں کی بھلائی سے محروم رہا اور نویں ذی الحج کے روزے کا تو خوب خیال رکھو اس میں اتنی بھلائیاں ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چار چیزوں کو نبی پاک ﷺ نہیں چھوڑتے تھے عاشورے کا روزہ اور ذی الحجہ کے دس دن یعنی پہلے نو دن کے روزے اور ہر ماہ کے تین دن کے روزے اور نماز فجر سے قبل دو رکعتیں۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت عشرہ ذی الحجہ میں داخل ہو جائے تو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ بال اور جسم سے کسی چیز کو مس نہ کرے۔ایک اور روایت میں ہے کہ بال نہ کٹوائے اور نہ ناخن کتروائے۔

نبی کریم ﷺ نے سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ قربانی کے جانور کی گردن سے جب خون کا پہلا قطرہ گرتا ہے تو اس کے عوض تمہارے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔اس موقع پر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ صرف آپ کے اہل بیت کے لیے خاص ہے یا سب مومنین کے لیے؟ جواب میں اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب مومنین کے لیے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس قربانی کی وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہوں کے قریب مت آئے۔

اللہ کے نبی پاک صاحب لولاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ذی الحجہ کی پہلی رات کو دو رکعت نماز نفل اس طرح ادا کرے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ انعام کی پہلی تین آیات اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون ایک بار پڑھے تو اللہ اسے حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عرفہ کے دن دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ تین بار، سورۂ کافروں تین بار، سورۂ اخلاص ایک بار اور ہر سورہ کو ہر دفعہ بسم اللہ سے شروع کرے تو اللہ اس کے گناہ بخش دے گا۔

اللہ کے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شب عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کی رات کو ۲۰ رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے

بعد آیت الکرسی تین بار اور سورۂ اخلاص ۲۵ بار پڑھے اور سلام کے بعد سبحان اللہ ۱۰۰ بار پڑھے تو اللہ اسے حج مقبول کا ثواب دیتا ہے اور اس کی شکل کا فرشتہ زمین پر بھیجتا ہے جو اس کی طرف سے تمام ارکان حج ادا کرتا ہے اور یہی ذی الحجہ کا مبارک عشرہ ہے جس میں حج بیت اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ دنیا بھر سے اہل ایمان اللہ کے گھر کا قصد کرتے ہیں، ظاہری طور پر عشرہ ذی الحجہ کے امتیاز کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑی بڑی عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں یعنی نماز، روزہ ،صدقہ اور حج، اس کے علاوہ دیگر ایام میں ایسا نہیں ہوتا۔

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ذی الحجہ کے دس دنوں میں نیک اعمال اللہ کو جتنے محبوب ہیں اس کے علاوہ دیگر دنوں میں نہیں۔ ابوعثمان الہندی فرماتے ہیں کہ سلف صالحین تین عشروں کو بہت عظیم سمجھتے تھے: (۱) رمضان المبارک کا آخری عشرہ (۲) ذی الحجہ کا پہلا عشرہ (۳) محرم الحرام کا پہلا عشرہ۔

رسول پاک ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص عشرہ ذی الحجہ کے ایام میں سورۂ فجر پڑھے تو اللہ اسے دوزخ کی آگ سے بچالیتا ہے۔ شیخ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ راحت القلوب میں روایت کرتے ہیں کہ نحر کی رات یعنی دسویں ذی الحجہ عید قرباں کی رات جو شخص بارہ رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص ۵ بار پڑھے تو اس کے لیے بے انتہا ثواب ہے، پھر حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث العالمین بہاؤالدین زکریا ملتانی سے راحت القلوب میں روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ذی الحجہ کے مہینے میں دو رکعت نماز اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن پاک میں جو یاد ہو وہ پڑھ لے تو اللہ اس کے سال بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اللہ ہمیں اپنے محبوب کریم ﷺ کے صدقے اس عظمت والے مہینے میں اپنا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنے عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ "کعبۃ اللہ"

اسی طرح بیت اللہ شریف کے گرد سات پھیرے کرے۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم علیہ السلام کے قریب دو رکعت نفل پڑھے۔ پھر باب صفا سے نکل کر حرم سے باہر آجائے اور کوہ صفا پر جو جبل ابوقبیس کے پاس ہے چڑھے اور دعا کرے پھر صفا سے اتر کر میلین اخضرین کے درمیان تیزی سے چلے، مروہ پر چڑھ جائے اور دعا پڑھے۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔

آٹھویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد ایسے وقت منیٰ کو روانہ ہو جانا چاہیے کہ وہاں پہنچ کر ظہر کی نماز وقت مستحب میں ادا کی جا سکے۔ یہاں عرفہ کی صبح تک قیام کریں اور طلوع آفتاب کے بعد عرفات کو روانہ ہو جائیں اور راستہ بھر تکبیر اور لبیک پڑھتے رہیں۔

عرفات کا میدان منیٰ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ میدان سارا کا سارا موقف یعنی جائے قیام ہے مگر بطن عرفہ جو عرفات میں ایک وادی ہے وہاں نہ ٹھہرے پھر مسجد نمرہ کے پاس جس کو مسجد ابراہیم بھی کہتے ہیں قیام کریں۔ ممکن ہو تو زوال سے پہلے غسل کر لیں یہاں امام خطبہ پڑھے گا احکام و افعال حج بیان کرے گا۔ اس خطبہ کو سنیے اور امام کے ساتھ نماز ظہر و عصر ایک اذان و تکبیر کے ساتھ ظہر کے وقت میں اکٹھی پڑھیے۔ نماز سے فارغ ہو کر جبل رحمت کے قریب قیام کیجیے۔ خشوع و خضوع کے ساتھ مسکین اور محتاجوں کی طرح ہاتھ پھیلا کر دعا مانگیے۔ توبہ و استغفار کثرت سے کرتے رہیے۔ اپنے گناہوں پر نادم اور شرمسار ہو کر خوب روئیے اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا لیجیے۔

پھر غروب آفتاب کے بعد لبیک بلند آواز سے پڑھتے ہوئے عرفات سے مزدلفہ میں آجائیے۔ مزدلفہ عرفات سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پہنچ کر مغرب اور عشا دونوں نمازیں ایک اذان اور تکبیروں کے ساتھ اکٹھی ادا کیجیے اور ساری رات اذکار و اشغال میں گذاریے اور فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھ کر ذکر الٰہی کیجیے اور دعا مانگیے اور حضور آقائے دوعالم ﷺ پر درود و سلام بھیجیے، پھر طلوع آفتاب سے قبل وہاں سے روانہ ہو جائیے۔

جب محسّر میں پہنچیں تو تیر کی طرح تیزی سے وہاں سے نکل جائیے۔ یہاں سے ہو کر منیٰ میں آئیے اور جمرۂ عقبیٰ پر سات کنکریاں مار کر لبیک کہنا موقوف کر دیجیے۔

رمی سے فارغ ہو کر مذبح میں جا کر جو جانور جی چاہے خریدیئے اور قربانی کیجیے۔ ذبح سے فارغ ہو کر سر کے بال منڈوا دیجیے۔ یا کم کرا دیجیے۔ اور احرام کھول ڈالیے۔ احرام اتار کر خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر حسب سابق طواف کیجیے۔ پھر چاہ زمزم پر آکر خوب سیر ہو کر پانی پیجیے۔ اپنے بدن اور کپڑوں پر ملیے اور منیٰ میں جا کر ظہر کی نماز ادا کیجیے۔

پھر 11 تاریخ کو زوال آفتاب کے بعد جمرۂ عقبیٰ پر سات کنکریاں ماریئے، پھر جمرۂ وسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ پر اسی طرح 12 اور 13 ذی الحجہ کو بھی ان تینوں جمرات پر کنکریاں مارنی چاہییں، پھر مکہ میں حاضر ہو کر طوافِ وداع کریں۔

اب آپ کا حج پورا ہو گیا آپ کو اختیار ہے کہ چاہیں مکہ معظمہ میں قیام کریں

حج کے فرائض اور ارکان پانچ ہیں

1۔ احرام باندھنا

2۔ طواف کرنا

3۔ سعی (یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا)

4۔ میدان عرفات میں قیام کرنا

5۔ سر کے بال منڈوانا یا کم کرانا

یہ تمام باتیں اس قدر ضروری ہیں کہ ان میں سے اگر ایک بھی ترک ہو جائے گی تو حج ادا نہ ہوگا۔

حج کے واجبات چھ ہیں

1۔ احرام کا میقات سے باندھنا۔

2 کنکریوں کو پھینکنا۔

3۔ غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا۔

4۔ رات کو مزدلفہ میں قیام کرنا۔

5۔ منیٰ میں رہنا۔

6۔ طواف وداع کرنا۔

مندرجہ بالا ارکان کی ادائیگی تکمیل حج کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سعادت سے مشرف ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہدایت دے۔ آمین۔

(بشکریہ ماہنامہ آئینہ)

دُور بیٹھا غبارِ میر اُس سے
عشق بِن یہ ادب نہیں آتا

سید ریاض حسین شاہ

مسجد المینار ٹیمپل بھاٹہ کی بات ہے۔ بالائی منزل پر ایک چھوٹا سا کمرہ انتظامیہ نے خطیب کے لیے بنا رکھا ہے۔ لالہ جی قدس سرہ العزیز وہاں تشریف فرما تھے۔ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بجلی چلی گئی۔ موم بتی روشن کی گئی، فتیلۂ شمع شاید گیلا تھا ادھ جلی بتی سے لرزتی ہوئے دھیمی دھیمی روشنی کمرہ میں رکھی ہوئی کتابوں سے ٹکرا ٹکرا کر رقص کرنے لگی۔۔۔۔۔ کبھی تو روشنی بھبک اٹھتی اور کبھی بل کھاتی تاریکیاں اسے گھیر لیتیں اور وہ فقط جھلملاہٹ ہی سی دکھائی دیتی۔

لالہ جی قدس سرہ العزیز نے فرمایا:

''موم بتی پریشان ہے اسے بجھا دو اور وقت سے فائدہ اٹھاؤ اور یکسوئی اور مکمل دھیان سے ذکر کرو''۔

محفل میں اس وقت شاید مسجد کا خطیب، ممتاز قریشی، طاہر قریشی اور حافظ منظور موجود تھے۔ لالہ جی نے خطیب سے پوچھا:

''دیکھو میرا حال کیسا ہے اور کہاں ہے''

خطیب نے جواب دیا ''لاہوت''۔

آپ نے پوچھا ''نشانی کیا ہے'' ایک جھنڈا دکھائی دیتا ہے۔ خطیب نے کہا:

حضرت قدس سرہ العزیز فرمانے لگے:

''تم ٹھیک کہتے ہو بعض لوگوں کو یہ مقام چھتری کی صورت میں نظر آتا ہے اور بعض کو جھنڈا دکھائی دیتا ہے۔ اچانک بجلی روشن ہو گئی اور مسجد کے حجرہ میں بیٹھنے والے احباب جگمگاتے بلب سے پھوٹنے والی تیز روشنی سے چندھیا سے گئے۔ طبائع سنبھلیں تو ایسے لگا جیسے گہری تاریکیوں سے جاگتے شعور نے لطیف اجالوں کا سراغ لگا لیا ہو۔ کیف و سرور کی برستی روشنیوں سے آراستہ مسجد کی مسحور کن فضا میں بیٹھنے والے درویشوں میں سے ایک نے لالہ جی علیہ الرحمۃ سے سوال کیا:

حضور حال کیا ہوتا ہے؟

کیا یہ ہر شخص کو حاصل ہوتا ہے۔۔۔۔۔؟

لالہ جی نے یہی سوالات خطیب مسجد سے دریافت کیے تو اس نے درخواست کی کہ حضور! آپ کا جواب سائل کے لیے تشفی کا موجب ہوگا اس پر لالہ جی نے تفصیل سے ارشاد فرمایا۔۔۔۔۔:

''صاحب نسبت شخص جب یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر گزرنے والی واردات تین حالتوں سے خالی نہیں اگر تو وہ بالکل سطحی، وقتی اور عارضی ہوں تو یکسوئی کی اس کیفیت کو وقت کہہ دیتے ہیں اور اگر ان میں استقلال آجائے تو پھر یہ حال بن جاتی ہیں اور حال باقاعدہ ایک نور کی شکل میں ہوتا ہے جو سالک کے سر سے لے کر اس کے مقام تک طولانی کرن کی صورت میں نظر آتا ہے اور یہ بھی ذہن میں رکھا جائے حال بے عملی اور بے التفاتی سے زائل بھی ہو جاتا ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ گرائے تو نہیں گرتا اور حال ملکہ راسخہ بن جائے تو پھر اسے مقام کہتے ہیں۔۔۔۔۔''

حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا کہ یہ ان کے سلسلۂ محبت و طریقت کی برکات ہیں کہ بیعت ہونے والے مخلص شخص کو حال کی دولت سے اللہ تعالیٰ پہلے دن ہی مالا مال فرما دیتا ہے۔

سائل نے عرض کیا۔۔۔۔۔

''حضور! واردات سے کیا مراد ہے۔۔۔۔۔''؟

آپ نے فرمایا دل میں گزرنے والی کیفیات، انس، مستی، ہیبت، خوشی، راحت اور قبض و بسط وغیرہ۔

فرمایا۔۔۔۔۔:

''حال اور مقام کسی کامل اور صاحب نسبت کی توجہ کے بغیر حاصل ہونے والے چیز نہیں۔ یہاں کثرت عبادت کام نہیں کرتی بلکہ توجہ کام کرتی ہے اور پیر و مرشد کی ادنیٰ سی ناراضگی سے سالک حال و مقام اور واردات و کیفیات کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔۔۔۔''

آپ نے مثال دی کہ اگر پیر کہے کہ دروازہ بند کر دو اور مرید کہے کہ نہیں حضور ہوا آ رہی ہے تو پیر کے دل پر اگر اس سے بوجھ آجائے تو سالک کیف و مستی سے محروم ہو جائے گا۔

دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

اور حافظ نے کہا تھا۔۔۔۔۔

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہی خضر مکن
ظلمات است بترس از خطر گمرہی

لالہ جی قدس سرہ العزیز نے دعا فرمائی ایسے لگا جیسے فرشتے رحمتوں کے لطیف جھونکے لے کر محفل میں آ بیٹھے ہوں۔ محفل کے اختتام پر آپ مسکرائے اور خطیب کو مخاطب فرمایا صاحب! بتاؤ آرام کہاں کرنا ہے، عصا لیا اور ہولے ہولے مینار مسجد کے درمیانی زینوں سے نیچے اترنے لگے۔ اس رات کا آخری لاہوتی تحفہ حسن میں نہائے ہوئے آپ کے یہ الفاظ تھے ''توبہ اللہ معاف فرما دے''۔

درد قائم ہے یاد باقی ہے
اک تری دید چھن گئی جاناں

ناامیدی چھوڑیں مثبت سوچیں

آصف بلال آصف

علامہ اقبال کا فلسفۂ امید ہمیں سکھاتا ہے کہ اپنی امنگوں اور آرزوؤں کو ہمیشہ زندہ رکھو۔۔۔کیونکہ آرزوئیں زندگی ہیں اور آرزوؤں کو ترک کردینا موت کا سامان ہے۔۔۔جبکہ زندگی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر امید سے مستحکم ہوتی ہے۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کبھی کسی بھی حال میں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔۔۔امید مسلسل آرزو سے جڑی رہتی ہے۔یا یوں کہہ لیجیے کہ امید آرزو کی بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔۔۔

ناامیدی جہاں آرزوؤں کا خون کردیتی ہے وہاں زندگی کے لیے بھی زہر قاتل ہوتی ہے۔۔۔کیونکہ زندگی آرزو سے ہے۔۔۔ناامیدی ہر ایک پل انسان کو زندگی سے دور کرتی چلی جاتی ہے اور زندگی سے بے زاری انسان کو قبر کے نزدیک کردیتی ہے اور انسان اونچے پہاڑ سے مایوسی کی کھائی میں جا گرجاتا ہے۔۔۔ناامیدی انسان کی طاقت اور حوصلے کو چھین لیتی ہے اور انسان کو بے بس کردیتی ہے اسی طرح ناکامی کی سب سے بڑی وجہ بھی ناامیدی ہے امید زندگی ہے جو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے اور ناامیدی موت ہے جو جیتے جی ماردیتی ہے۔

جیتے جی مرنا اس کو کہتے ہیں کہ ناامیدی زندگی کو سلا دیتی ہے۔۔۔سست کردیتی ہے۔۔۔زندگی کے معمولات حرارت زندگی نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں یعنی جوش وجذبہ برف آلود ہو جاتا ہے۔۔۔ لہٰذا ناامیدی عناصر کی کمزوری کی دلیل ہے۔۔۔

ناامیدی زندگی کی آنکھوں کے لیے اندھے پن کا سرمایا ثابت ہوتی ہے۔۔۔یوں آنکھوں کی بینائی یعنی روشنی کو سیاہی میں تبدیل کردیتی ہے۔۔۔اور امید کی چمک سے جو حقیقتیں انسان دیکھ سکتا ہے وہ ناامیدی کی سیاہی سے ماند پڑ جاتی ہیں۔۔۔

اس لیے تو اقبال فرماتے ہیں کہ اُمید حوصلہ، ہمت اور قوت عطا کرتی ہے۔۔۔

ناامیدی کی پھونک سے زندگی کی طاقتیں مرجاتی ہیں۔۔۔

یہ زندگی کے رواں دھواں چشموں کو خشک کردیتی ہے۔۔۔

اور زندگی بنجر ہوجاتی ہے۔۔۔

ناامیدی اور غم ایک ہی چادر اوڑھ کر سوتے ہیں۔۔۔

یعنی ناامیدی غم کو تقویت دیتی ہے۔۔۔

اور غم اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔۔۔

غم زندگی کی شاہ رگ پر خنجر کی طرح ہے۔۔۔

جو زندگی کو ختم کرنے کی درپے ہوتا ہے۔۔۔

اے شخص جو غم کے قید خانے میں قید ہے اسے نبی اکرم ﷺ کا قول با کمال یاد کرنا چاہیے۔۔۔

جب آپ ﷺ نے غارِ ثور میں سیدنا ابوبکر صدیق سے کہا تھا کہ۔۔۔اے ابوبکر غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یعنی امید ہی غم سے چھٹکارا دلوانے والی ہے اور مسلمانوں کو تو امید ہی اللہ سے ہے جو کبھی ناامید نہیں ہونے دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا مسلمانوں کے لیے ستاروں کی طرح ہے لہٰذا مسلمان اللہ کے رضا میں راضی رہتے ہیں اور اپنی زندگی کے راستے میں ہر مشکل کو ستاروں کی طرح مسکراتے ہوئے جھیلتے ہیں۔

پیغام ابدی یہ ہے کہ اے انسان اگر تو اپنے مالک حقیقی پر ایمان رکھتا ہے تو غم سے آزاد ہو جا۔ناامیدی سے چھٹکارا حاصل کر یعنی اللہ کی رضا میں راضی ہو جا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔۔۔وہ نہ چاہے تو کائنات کی طاقت تجھے دکھ نہیں پہنچا سکتی اور اگر وہ چاہے تو تجھے کائنات کی کوئی طاقت کسی پریشانی سے نجات نہیں دلا سکتی۔۔۔لہٰذا اپنے ایمان کو مضبوط رکھ اور ہر قسم کے نفع ونقصان سے آزاد ہو جا کیونکہ ہر شے اللہ ہی کے حکم کے تابع ہے۔۔۔

اب ہم اس بات کو ڈسکس کرتے ہیں کہ ناامیدی سے چھٹکارہ حاصل کر کے امید کی دنیا میں کیسے داخل ہوا جاتا ہے۔۔۔جو دراصل کامیابی کی دنیا ہے۔۔۔

1. خوداعتمادی پیدا کیجیے

سب سے پہلا اصول یہ کہ اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ رکھیں، جب تک آپ میں یہ خوبی پیدا نہیں ہو گی آپ کامیاب اور خوش وخرم نہیں ہو سکتے۔ ایک معقول خوداعتمادی ہی کامیابی کی طرف بڑھنے کی پہلی سیڑھی ہے۔احساس کمتری اور شش وپنج کا شکار دماغ مستقبل کی منصوبہ بندی بھلا کیسے کرسکتا ہے۔ایک خود اعتماد شخص ہی اپنی صلاحیتوں سے مکمل آگاہی رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کامیابی کیسے ملے گی۔اس کی مثبت سوچ اور انداز فکر کی بلندی اس کی دماغی اور جسمانی صلاحیت میں اضافے کا سبب بنتی ہے جس سے وہ خود آگاہی کے مرحلے طے کرتا ہوا روشن ضمیر ہوتا چلا جاتا ہے۔۔۔اور جاننے لگ جاتا ہے کہ اسے اپنی سوئی ہوئی صلاحیتوں کو کیسے بیدار کرنا ہے۔

یہ ایک چونکا دینے والی حقیقت ہے کہ کئی باصلاحیت افراد کو خوفزدہ کر کے نکما اور قابلِ رحم بنا دیا جاتا ہے۔۔۔خوف بھی ناامیدی کو جنم دیتا ہے

---اس طرح یہ افراد احساسِ کمتری کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں---اگر آپ احساس کمتری سے ہر حالت میں نجات پانا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ-----

آپ مذہب کے قریب آئیں---

قرآن کی تلاوت اور ترجمہ وتفسیر کو سمجھیں---

کسی کامل بزرگ کی صحبت اختیار کریں---

اپنے آپ کو عبادت میں مشغول رکھیں---

آپ تمام منفی خیالات سے جان چھڑا لیں گے---

اللہ تعالیٰ پر مکمل یقین ذہنی آسودگی کا بہترین حل ہے---

ناامیدی سے امید کا سفر قوت یقین سے ہی طے کیا جا سکتا ہے---یقین ایک ایسی مثبت قوت کا نام ہے جو احساس کمتری کا فوری قتل کر دیتی ہے اور انسان اپنی معاشرتی زندگی میں اپنے آپ کو کارآمد بنانے لگ جاتا ہے---علم سائنس کا ہو یا مذہب کا وہ انسانی قلب ونظر اور شوق وجذبے میں حرکی توانائی کی طرح عمل کرتا ہے---جمود توڑتا ہے اور کارآمد بننے کی لگن پیدا کرتا ہے---اور پھر یہ ادراک کہ میں معاشرے کے لیے فائدے مند ہوں انسان کو احساس کمتری کی پاتال سے نکال کر یقین اور ایمان کے بامِ عروج تک لے جاتا ہے۔

انسان جس قدر قرآن کریم کا مطالعہ کریں گے جتنا اس کے احکامات پر عمل درآمد کریں گے پریشانیاں کم ہوتی چلی جائیں گی---اب یہ عمل پوری دل جمعی، خلوص دل اور مکمل اطاعت کے ساتھ کیا جائے تو رزلٹ اتنا ہی مثبت، مکمل اور بہترین ہوگا---

اگر آپ کی ذہنی قوت کو منفی خیال درہم برہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ اپنے ذہن کو جھٹک کر ایسے خیالوں کو فوراً دور کرنے کی کوشش کریں---دن میں کم از کم دس مرتبہ یہ الہامی الفاظ پورے اعتماد اور یقین سے دہرائیں---

''اگر اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے تو کس کی مجال ہے کہ مجھے نقصان پہنچا سکے''۔

اپنی صلاحیتوں کا ایمانداری سے جائزہ لیجیے اور پھر ان میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے جائیے---اپنی خودی اور عزت نفس کو برقرار رکھیں اور خدا کی بخشی ہوئی قوتوں پر یقین متزلزل نہ ہونے دیں۔

جب اللہ تعالیٰ انسان کی سرپرستی کر رہا ہے تو دنیا کی کوئی منفی طاقت آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی اپنے آپ کو اس یقین کے سپرد کریں کہ وہی اللہ آپ کو طاقت سے نواز رہا ہے اور جو کچھ بھی آپ کو مل رہا ہے وہ سب اسی کی عنایت ہے---

2۔آسودہ دماغ قوت بخشتا ہے

اکثر انسان بیمار نہیں ہوتے بس ان کے ذہن پراگندہ ہوتے ہیں---یعنی وہ ذہنی مریض ہوتے ہیں---کیونکہ ذہنی آسودگی سے محروم لوگ بیمار لگتے ہیں---آسودہ دماغ قوت بخشتا ہے---اپنے آپ کو غفلت سے اور خواہشِ ناتمام سے دور رکھیے---

ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے---اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسے علم سے جو فائدہ مند نہ ہو---

اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسی دعا سے جسے شرفِ قبولیت نہ ملے---

اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسے دل سے جو غافل ہو جائے---

اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایک ایسے نفس سے جو غیر مطمئن ہو---

کیا خوبصورت دعا ہے جو دل ودماغ کو یقین کی قوت سے مالا مال کرتی ہے اور ذہن کو آسودگی عطا کرتی ہے۔

3۔عبادت کی حیثیت

دو شخص بڑی سنجیدہ کاروباری گفتگو کر رہے تھے---ایک شخص جو ذاتی اور تجارتی الجھنوں کی وجہ سے بے حد پریشان تھا بار بار زمین پر پاؤں مار رہا تھا چہرے سے اداسی اور پریشانی ٹپک رہی تھی---دوسرے آدمی نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا اور کہا پریشانی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی تم محنت کر رہے ہو اور کرو اللہ کرم کرے گا---

اس موقع پر پہلا شخص مزید بددلی کا شکار ہوتا ہوا بولا اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے تباہی سے نہیں بچا سکتی---ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک دردبھری سسکاری نکل گئی---دوسرا شخص بڑے اطمینان سے بولا کہ میں ایسا نہیں سمجھتا کیونکہ اس دنیا میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ اس کائنات میں ایک ایسی طاقت موجود ہے جو ہماری سرپرستی کر رہی ہے---اور ہماری مدد کرتی رہتی ہے---اور پھر بڑی رازداری سے بولا کہ تم عبادت کا راستہ کیوں اختیار نہیں کرتے۔

عبادت---مایوس شخص نے حیرت بھرے لہجے میں کہا میں عبادت پر اعتقاد تو رکھتا ہوں---لیکن ہمیشہ نماز پڑھنے میں سست رہا ہوں۔ تمہاری ناامیدی اور ذہنی دباؤ کی وجہ بھی یہی ہے کہ تم عبادت میں سست ہو اور روحانیت سے دور ہو---

میں نے تو ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ بھی ایک راستہ ہے---مایوس شخص بولا

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگر عبادت کو عادت بنا لیا جائے تو ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے---آج کل ماہرین طب اور اچھے خاصے پڑھے لکھے افراد بھی معذوری کا علاج عبادت کے ذریعے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں---ذہنی تناؤ، الجھن اور معذوری کی اصل وجہ اندرونی حیاتیات کی کمی کو شمار کیا گیا ہے---یہ بات قابل توجہ ہے کہ دعائیں خوش اسلوبی کے ساتھ اس کمی کو پورا کرتی ہیں---اور آپ کے جسم اور روح کو تازہ دم کر دیتی ہیں---

عبادت انسان کو وہ ہمت اور طاقت فراہم کرتی ہے جو عام حالات میں ممکن نہیں---

دعا اور عبادت توانائی کے مظاہر ہیں ان کے ذریعے بڑھتی ہوئی عمر کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں---

آپ کو بنیادی توانائی یا حیاتیاتی قوت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے---

عبادت آپ کو صبح وشام تروتازہ رکھتی ہے---

عبادت کے دوران آپ کو مسائل کا حل خود بخود نظر آنے لگ جاتا ہے---

عبادت آپ کی سوچ کو مثبت راہ پر گامزن رکھتی ہے---

4۔اپنی خوشیاں خود تلاش کیجیے

اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ آپ خوش رہیں گے یا غمگین---؟

یہ خود آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے لیے کیا فیصلہ کرتے ہیں جب آپ صبح سویرے اٹھتے ہیں تو آپ کے پاس دو انتخاب ہوتے ہیں آپ کو خوشی چاہیے یا اداسی---اب انتخاب آپ کے اختیار میں ہے ظاہر ہے کہ آپ خوشی اور مسرت کا ہی انتخاب کریں گے۔ بس یہی فیصلہ آپ کو Lead کرے گا۔

امریکہ کے سابق صدر ابراہم لنکن کا قول ہے''ہر آدمی اپنی سوچ کے مطابق خوشی اور راحت حاصل کرتا ہے''

دنیا کو آپ جیسا دیکھنا چاہیں گے ویسی ہی نظر آئے گی---اگر آپ اداسی اور غم کا انتخاب کر لیتے ہیں تو آپ کو ہر چیز میں خرابی اور ہر بات میں اُلجھن نظر آئے گی اور آپ کی پریشانی بڑھتی چلی جائے گی۔

بقیہ صفحہ نمبر 32 پر

ساقیا اٹھنا پڑے گا مے دلانے کے لیے

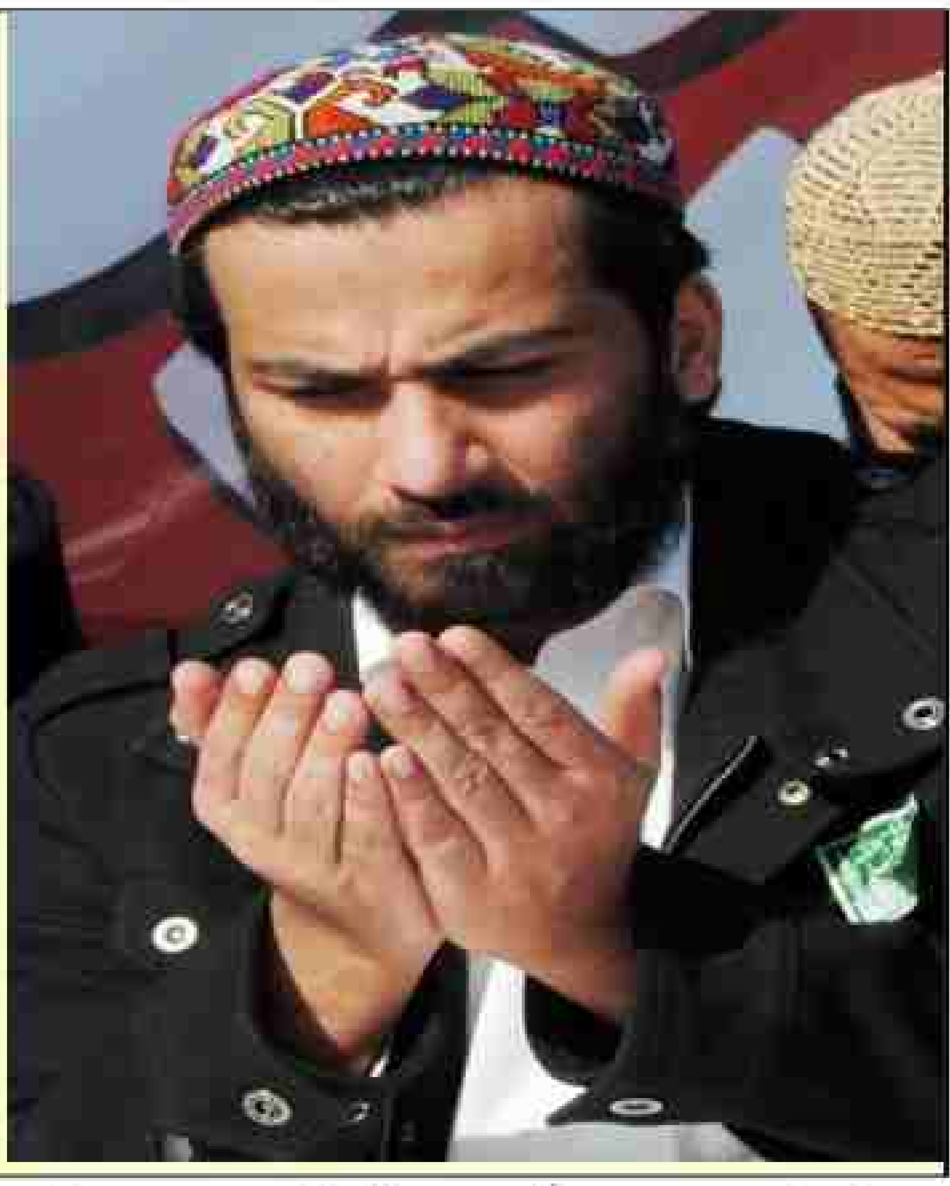

منظور حسین اختر

پچھلے دنوں حضرت مفکر اسلام مفسر قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے بڑے صاحبزادے پیر سید فیصل ریاض حسین شاہ جی بیمار پڑے، تو ہر خاص و عام کے ہاتھ دعاؤں کے لیے بلند ہو گئے۔

بیماری کیا پیدا ہوئی چار دانگ عالم فیصل شاہ جی کی محبوبیت ہی محبوبیت واضح ہو گئی۔

انٹرنیٹ کی دنیا فیصل شاہ جی کے لیے دعاؤں سے بھر گئی، کہیں فون ہو رہے ہیں، کہیں موبائل بج رہے ہیں، ہر طرف دعائیں ہو رہی ہیں، مجالس دعا منعقد ہو رہی ہیں، ہر شخص دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! میرے شاہ جی کے صاحبزادے کو صحت عطا فرما دے۔ اللہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھ، حتیٰ کہ نعیم نامی ایک سنگی کو اس صدمہ سے خود ہارٹ اٹیک ہو گیا۔

لو جی!

لوگ تو شاہ جی کی محبوبیت سے خائف تھے یہاں تو ان کے صاحبزادے کی اتنی مقبولیت۔۔۔

لوگوں کے دلوں میں اتنی چاہت۔۔۔

تصور میں جانیں قربان ہو رہی ہیں

خیالوں میں بلائیں لی جا رہی ہیں

صدقے واری ہونے کی خواہشات ابل رہی ہیں

اللہ اللہ اولادِ رسول کی شانِ محبوبیت!!!

واہ واہ

''تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا''

انا اعطینک الکوثر

فصل لربک وانحر

ان شانئک ھو الابتر

ان شانئک ھو الابتر

ان شانئک ھو الابتر

بے شک میرے آقا!!!

ان شانئک ھو الابتر

میرے آقا!

آپ کی اولادِ اطہار کو کون گھٹا سکتا ہے

ان کی کثرت کو کون کم کر سکتا ہے

ان کی شانِ محبوبیت کو کون چھین سکتا ہے

وہاں تو

گردنِ حسین علیہ السلام پر خنجر چلا کر اہل باطل حیران ہیں

کہ اگر قرآن پڑھا جا رہا ہے تو پھر کٹا کیا ہے۔۔۔

ناراض نہ ہوئیے گا!!!

میں تو حضرت فیصل شاہ جی کی بیماری کو اس جہت سے دیکھ رہا ہوں کہ اللہ جس کا ذکر کروانا چاہتا ہے اور جس کی محبت عام کرنا چاہتا ہے۔ اس رب کریم کے پاس بڑے راستے ہیں

اسے بہت طریقے آتے ہیں

وہ پل بھر میں سب لوگوں کی زبان پر اپنے محبوبوں کے تذکرے جاری فرما دیتا ہے

پھر اس اللہ والے کو کسی اشتہار کی ضرورت نہیں رہتی

اسے کسی سوشل میڈیا کی حاجت نہیں رہتی

وہ کسی ٹی وی چینل کا محتاج نہیں رہتا

جس کا ذکر اللہ بلند کر دے اسے کون نیچا کر سکتا ہے

وہ حدیث تو سب کو یاد ہوگی:

مفہومِ حدیث:

''اللہ جس سے محبت فرماتا ہے جبریل کو حکم دیتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اے جبریل تو بھی اس سے محبت کر، جبریل باقی فرشتوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ اس بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پھر دنیا میں اعلان محبت ہو جاتا ہے کہ اللہ اس بندے سے محبت فرماتا ہے اے اللہ والو! تم بھی اس سے محبت کرو''۔

پھر محبوبیت جنم لیتی ہے

پھر جانثاریاں دیکھنے میں آتی ہیں

پھر دل قربان ہوتے ہیں!

پھر روحیں تڑپتی ہیں!

ادھر فتوے جاری ہوتے ہیں ادھر جانیں قربان ہوتی ہیں!

پھر اپنے پرائے پہچانے جاتے ہیں!

پھر قسمتیں تبدیل ہوتی ہیں!

''لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ''

اللہ اللہ اللہ!!!

لوگ خائف تھے میرے شاہ جی کے ذکر کی بلندی سے لوگ اندر ہی اندر جل بھن گئے تھے کہ شاہ جو کو جتنا ''کارنر'' کرو اتنا ہی ابھرتے ہیں

چینل کے راستے مسدود ہو سکتے ہیں لیکن دلوں کے راستے کون مسدود کرے

سوشل میڈیا پر فتوے جاری کئے جا سکتے ہیں لیکن ذہن کے پردوں سے شاہ جی کی تصویر کون ہٹائے؟

یہ فضلِ خداوندی ہے

یہ خدائی اہتمام ہیں

وہ مسبب الاسباب ہے

وہ کسی کا محتاج نہیں

اس کے پاس بڑے راستے ہیں
اس کے پاس بڑے طریقے ہیں
بس ہمیں اس رب کو مان لینا چاہیے!
اس کے رسول کو مان لینا چاہیے!
اس کے رسول کی آل کو محبوب بنالینا چاہیے!
آیئے! قرآن کی ایک آیت پیش کروں:
یہ پچیسواں پارہ ہے
سورۃ الزخرف ہے اور اس سورہ کی آیت نمبر 81 ہے
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین ہ

ترجمہ: ''فرما دیجیے! اگر رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا''۔

یہ آیت اتنا تو لازم بتاتی ہے کہ جو بڑا ہو اس کا بیٹا بھی بڑا ہوتا ہے
جو تعظیم بڑے باپ کی ہوتی ہے ویسی ہی تعظیم اس صاحبزادے کی بھی ہوا کرتی ہے
باپ سے محبت کے دعوے اور اولاد سے بغض فعل حرام ہے
یہ جھوٹے دعوے ہیں
یہی تو منافقت ہے
کیا حضور ﷺ نے فرمایا نہیں تھا کہ
''علی کو کم از کم میری خاطر ہی چھوڑ دو''۔
یعنی نظر تو بڑوں پر ہوتی ہے
اولاد رسول ﷺ سے محبت تو رسول ﷺ کی خاطر ہے۔
صرف یہی نہیں ان سے مودت کا حکم تو خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے:
اولادِ رسول کی رعایت تو فرشتے بھی کرتے ہیں سنیے!!!
پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''ملفوظاتِ امیر الملت'' میں ہے کہ اگر سید زادہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو گناہ لکھنے والا فرشتہ لکھنے سے ڈرتا ہے، تاخیر کرتا ہے کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ ناراض نہ ہو جائیں''۔۔۔
اللہ اللہ اللہ
آج کا انسان ذرا بھی نہیں ڈرتا
آؤ دعا کریں
مولا! ہمیں آلِ رسول ﷺ کی محبت عطا فرما
ہمارے دلوں کو ان کی آماجگاہ بنا
ہمارے سینوں کو ان کے عشق سے منور فرما
ہمیں ان کی توجہ نصیب فرما
اے میرے فیصل شاہ جی!!!
اللہ آپ کو سلامت رکھے
تا قیامت رکھے
تا ابد الآباد رکھے
آپ تو محفوظ عن الخطا ہیں!

لِّيَغۡفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ (سورۃ الفتح)

آپ تو پاکوں کی اولاد ہیں!

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجز اھل البیت و یطھر کم تطھیرا

آپ کے درجے بھی پہلے سے بلند ہیں
یہ تو فقط آپ کا ذکر عام کرنا تھا۔۔۔
آپ کی ذات کو سر بام لاکر عشاق کے عشق کو مہمیز لگانا تھی
منافقین کی زبانوں پر مہر ثبت کرنا تھی
حاسدین پر حجت تمام کرنا تھی
کہ لوگو!!!
دیکھ لو! میرے شاہ جی کے صاحبزادے کی اتنی شان ہے تو شاہ جی کی شان کتنی ہوگی
میرے شاہ جی کے شاہزادے!!!
ہماری زندگیاں آپ کے قدموں پر نچھاور
ہمارے سر آپ کے سر کے صدقے
ہمارے اجسام آپ کے جسم پر واری
ہماری روحیں آپ کی روح پر تصدق
ہمارا تن من دھن سب قربان لیکن آپ سلامت رہیں
فیصل شاہ جی!
آپ کو ''ساجد شاہ''
کی ایک غزل ہدیہ کرتا ہوں!!!

یہ نہیں دل میں، ہو تیری ہر نظر میرے لیے
اک نظر کافی ہے تیری عمر بھر میرے لیے

کوچہ گردوں کو طوافِ کعبہ سے کیا واسطہ
یار کی گلیاں ہیں کافی آنے جانے کے لیے

مر کے بھی اے یار نہ چھوٹے گا تیرا سنگِ در
میں ترے در کے لیے ہوں تیرا در میرے لیے

منتظر در پر کھڑے ہیں دیر سے سب بادہ کش
ساقیا اٹھنا پڑے گا مے پلانے کے لیے

جان و دل سے میں تصدق اس تری تقسیم پر
وصل غیروں کے لیے دردِ جگر میرے لیے

تم سے پوشیدہ نہیں کچھ میرے دل کا ماجرہ
کیوں بنے پھرتے ہو آخر بے خبر میرے لیے

آرزوئے حور و غلماں زاہدا تم کو نصیب
ہیں خیال یار کافی تا عمر میرے لیے

اس گلی میں زندگی کی شام آخر ہو گئی
بعد مدت کے ہوئی ساجد سحر میرے لیے

بقیہ: ناامیدی چھوڑیں مثبت سوچیں

آپ کو ہر دوسرا شخص بھی اپ سیٹ نظر آئے گا۔۔۔ نہ ملک، نہ قوم، نہ معاشرہ، نہ کاروبار کچھ بھی مکمل اور اچھا نظر نہیں آئے گا۔۔۔ ہر چیز میں نقطہ چینی کرتے ہوئے آپ ڈپریشن کا شکار ہو جائیں گے۔
اس کے برخلاف اگر آپ مثبت انداز میں سوچیں کہ
کیا خوبصورت ماحول ہے۔۔۔
کیا نفیس زندگی ہے۔۔۔
ہر طرف شادابی اور ہریالی ہے۔۔۔
تو آپ کی طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے گی۔۔۔
سچائی اور حسن اخلاق کو اپنی عادت بنالیں، زندگی خود بخود خوشگوار ہو جائے گی۔۔۔
سوچ کا زاویہ ذرا سا بدل جائے تو خوشیاں کشید کی جاسکتی ہیں۔۔۔
مثبت انداز فکر اپنالیں اور دوسروں کی مدد کو اپنے روزمرہ کاموں میں شامل کرلیں خوشیاں آپ کو تلاش کرلیں گی۔۔۔

سادات کی نسبت ختم نہیں ہوتی

علامہ محمد ارشد

حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ نے سید اشباب اہل الجنۃ یعنی جنتی نوجوانوں کے سردار ہونے کی سند عطا فرمائی ہے۔ ہمارے ہاں ان کی اولاد اطہار کو ''سیّد'' کہا جاتا ہے اور عربوں کے ہاں ان کی اولاد کو ''شریف'' کہا جاتا ہے۔ سادات یعنی اہل بیت اطہار کے ساتھ محبت ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر سادات سے ایسے افعال سرزد ہو جائیں جن کو گناہ کہا جاتا ہے ان کی عزت اور تکریم پھر بھی باقی رہتی ہے کیونکہ ان کی نسبتِ اہل بیت ختم نہیں ہوتی۔ اس پُرفتن دور میں اکثر لوگوں کے لیے یہ بات سمجھنا بہت مشکل ہے کہ ایک گناہ گار سیّد کی عزت کیونکر باقی رہتی ہے؟ اس بات کو ہم چند مثالوں سے سمجھتے ہیں:

مثال نمبر 1:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میری والدہ جو مشرکہ تھیں، میرے یہاں آئیں میں نے آپ ﷺ سے پوچھا، میں نے یہ بھی کہا کہ وہ مجھ سے ملاقات کی بہت خواہشمند ہیں، تو کیا میں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کر''۔

(صحیح بخاری: 2620)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ مشرکہ تھیں۔ اور شرک کے بارے میں قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء

''بے شک اللہ اسے تو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے''۔

شرک وہ گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہے اس لیے اسے اکبر الکبائر کہا جاتا ہے۔ تو وہ گناہ جس کی بخشش ہی نہیں اس کا ارتکاب کرنے والی کسی کی ماں ہو تو اس گناہ کی وجہ سے ماں ہونے کی نسبت ختم نہیں ہوتی اور اس کی تکریم و تعظیم باقی رہتی ہے، تو چوری، زنا اور شراب نوشی وغیرہ اپنی جگہ پر تو کبیرہ ہیں لیکن شرک کے مقابلہ میں قابل معافی ہونے کی وجہ سے چھوٹے ہیں، جیسے شرک جیسے بڑے گناہ کے باوجود ماں کی نسبت ختم نہیں ہوتی اور عزت باقی رہتی ہے اسی طرح دیگر گناہوں کی وجہ سے کسی ''سیّد'' کی نسبت بھی ختم نہیں ہوتی اور جب ''سیّد'' ہونے کی نسبت ختم نہیں ہوتی تو ''سیّد'' کی عزت اور احترام بھی ختم نہیں ہوتا۔

مثال نمبر 2:

زکوٰۃ کے حوالے سے فتویٰ یہ ہے کہ سادات کرام کو زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جا سکتا کیونکہ زکوۃ مال کا میل ہے اور سیّد کی پاکیزہ نسبت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے میل سے بچایا جائے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سیّد جتنا بھی گناہ گار ہو جائے حتیٰ کہ اگر کسی سیّد کو حد بھی لاگو ہو جائے پھر بھی کوئی مفتی یہ فتویٰ نہیں دے سکتا کہ اس سیّد کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ گناہوں کے باوجود سیّد ہونے کی نسبت ختم نہیں ہوتی۔ جب سیّد ہونے نسبت باقی ہے تو عزت اور احترام کا رشتہ بھی باقی ہے۔

مثال نمبر 3:

تشہد پڑھنے کے بعد ہر شخص **اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد** پڑھتا ہے۔ جب ''آل محمد'' پڑھا جاتا ہے تو قیامت تک آنے والا ہر سیّد اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی مسلمان ''آل محمد'' پڑھنے کے بعد بریکٹس میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتا کہ فلاں گناہگار سیّد کے علاوہ باقی سب سادات پر درود ہو تو جب گناہوں کی وجہ سے کسی سیّد پر درود و سلام پڑھنا منقطع نہیں ہوتا تو گناہگار ہونے کی وجہ سے سیّدوں سے عزت اور احترام کا رشتہ کیسے منقطع ہو سکتا ہے؟

اعلیٰ حضرت فاضل بریلی کا احترام سادات بارے محتاط رویہ

آج کل بریلوی ناصبی اپنی پوری قوت اور طاقت کے ساتھ لوگوں کو یہ سبق پڑھا رہے ہیں کہ سادات بدعقیدہ ہو جائیں تو ان کا احترام ضروری نہیں رہتا۔ بریلوی لوگ اپنے آپ کو اعلی حضرت فاضل بریلی کی وجہ سے بریلوی کہتے اور لکھتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کو سمجھنے کی کُھو ان میں موجود نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سیّدوں کے بارے میں جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ سادات پر اعتراضات کے تناظر میں دیکھا جائے تو دو قسم کے سیّد ہیں:

نمبر 1: بدمذہبی حد کفر تک نہیں پہنچی

نمبر 2: بدمذہبی حد کفر تک پہنچ گئی

پہلی قسم کے سیدوں کا حکم

''سیّد اگر بدمذہب بھی ہو جائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی جب تک بدمذہب حدِ کفر تک نہ پہنچے، ہاں بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے''

(فتاویٰ رضویہ: جلد 29)

اب سوال یہ ہے کہ اگر بدمذہبی حد کفر تک نہیں پہنچی تو ہم سادات کی تعظیم کیسے بجا لائیں؟ اس حوالہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلی نے ابن حجر مکی کا قول نقل کیا:

''تو جب یہ ثابت ہوا تو جس کی نسبت اہلبیت نبی اور علوی حضرات کی طرف معلوم ہے تو اس کی بڑی جنایت اور عدم دیانت و صیانت اس کو اس نسبت سے خارج نہ کرے گی، اس بات کی بنا پر بعض محققین نے فرمایا: زانی یا شرابی یا چور سید پر حد قائم کرنے کی مثال صرف یہی ہے جیسے امیر یا سلطان کا کوئی خادم اس کے

پاؤں پر لگی نجاست کو صاف کرے''۔
(فتاویٰ رضویہ: جلد15)
اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کسی سیّد میں کوئی گناہ والی بات آجائے تو اس گناہ کو اس سیّد زادے سے اِس نیت سے دور کرنے کی کوشش کرے جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے پاؤں پر لگی ہوئی نجاست صاف کر رہا ہے۔ کسی غلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آقا کے پاؤں پر لگی گندگی کو دیکھ کر یہ کہے کہ اب میں اپنے آقا کی عزت ہی نہیں کروں گا۔

دوسری قسم کے سیدوں کا حکم

اعلیٰ حضرت نے لکھا کہ ''بعد کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہوجاتی ہے''یعنی اگر بدمذہبی حد کفر تک پہنچ تو پھر احترام لازمی نہیں لیکن ایک دوسرے مقام پر اپنے مؤقف کی تائید میں ابن حجر مکی کا قول نقل کیا:
''ہاں اگر ان حضرات سے کفر کا وقوع فرض کیا جائے، والعیاذ باللہ، تو اس سے وہ نسبت منقطع ہوجائے گی، میں نے صرف فرض کرنے کی بات اس لیے کی ہے کیونکہ مجھے جزم کی حد تک یقین ہے کہ جو صحیح النسب سید ہو اس سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ ان کو اس سے بلند رکھے، بعض نے ان سے زنا اور لواطت جیسے افعال کو بھی محال کہا ہے بشرطیکہ ان کی نسبی شرافت یقینی ہو تو پھر کفر کے متعلق تیرا کیا خیال ہے''۔
(فتاویٰ رضویہ: جلد15)
اب ہمارے لیے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہ رہا کہ جو صحیح النسب سیّد ہے وہ کافر نہیں ہوتا اور جو سیّد کافر نہیں اس کی تعظیم بہر حال لازم ہے، یعنی سیّد کی تعظیم ہر حال میں باقی رہتی ہے۔ اس ساری تفصیل کی موجودگی میں یہ کہنا کہ سیّد کی عزت واحترام ختم ہوجاتا ہے یہ سراسر ناصبیت ہے جو لوگوں کو سمجھ نہیں آرہی، پھر سب سے بڑا مغالطہ جو پیدا کیا جاتا ہے کہ ہم کیسے مان لیں کہ یہ سیّد ہے اگر سیّد ہے تو شجرۂ نسب کدھر ہے؟
ویسے تو یہ ایک لایعنی سی بات ہے۔ ان کے فکری آباؤ اجداد نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کو بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ کیا امام حسین کے سیّد ہونے میں بھی کسی کو شک تھا، یا وہ بھی (معاذ اللہ) بدعقیدہ ہوگئے تھے؟ کیا علی اصغر بھی بدعقیدہ تھے؟ کیا علی اکبر بھی بدعقیدہ تھے؟ سلام اللہ علیہم اجمعین۔ اصل بات یہ ہے کہ نواصب انتہائی گھٹیا قسم کے لوگ ہیں، کیا مخدومۂ کائنات بدعقیدہ تھیں؟ مولوی آصف لاہوری نے ان کے بارے میں بھی بکواس کر دی کہ وہ حرام کا مطالبہ کرنے آئیں تھیں (نقل کفر، کفر نباشد)۔
اعلیٰ حضرت نے لکھا کہ
''یہ فقیر بارہا فتویٰ دے چکا ہے کہ کسی کو سیّد سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سیّد جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سیّد کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہمیں حکم دیا گیا اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو برا کہنا اور مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ سیّد نہیں اور وہ سیّد بنے اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے نہ اُسے سیّد کہیں گے''۔
(فتاویٰ رضویہ: جلد29)

سادات بارے اعلیٰ حضرت کا عقیدہ

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سیّدوں کے ساتھ محبت وقت کی اہم ضرورت

سیّدوں کے ساتھ محبت ایمان کا تقاضا بھی ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ کی آمد قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔ امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے حوالہ سے احادیث متواترہ موجود ہیں اور اجماع امت ہے اور کسی بھی مسلک کے محدث اور مفسر نے اختلاف نہیں کیا اور ان کی آمد کا وقت بہت دور نہیں کیونکہ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے دنیا کے باقی وقت کا اندازہ اس طرح بیان فرمایا:
''دنیا اور آخرت کی مثال اس کپڑے کی طرح ہے جو شروع سے آخر تک پھٹ گیا ہو اور آخر میں ایک دھاگے سے لٹک کر رہ گیا ہو، عنقریب وہ دھاگہ بھی ٹوٹ جائے گا''۔
(حلیۃ الاولیاء)
حضرت امام مہدی علیہ السلام کا نام محمد ہوگا، والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا، آپ حسنی حسینی سید ہوں گے۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام آج کے دور کے سیّدوں میں سے کسی کی اولاد میں سے ہوں گے، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے خود کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی سیّدوں کے در کی نوکری کرنا سکھایا جائے۔ اگر کسی کی طبیعت خارجیت زدہ ہے تو سچے دل سے توبہ کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ اللہ بدبخت ہونے سے بچائے۔ اگر آج سادات کی محبت کی طرف طبیعت مائل نہ ہوئی تو آنے والے کل سید امام محمد مہدی علیہ السلام کے ساتھ محبت کا تعلق قائم ہونا مشکل ہوجائے گا اور جو بندہ سیدنا امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ محبت کا تعلق قائم کرنے میں ناکام ہوگیا، وہ بدبخت ہوجائے گا اور دجال کے گروپ میں چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو سادات کا نوکر بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

سید کی توہین کفر ہے

امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:
''سادات کرام کی تعظیم فرض ہے اور ان کی توہین حرام ہے بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا جو کسی عالم کو مولویا یا کسی کو میروا تحقیر کی وجہ سے کہے وہ کافر ہے''۔
مجمع الانہر میں ہے:
الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر
''سادات کرام اور علماء کی تحقیر کفر ہے''۔
اس کے بعد اعلیٰ حضرت سے ایک مزید سوال کیا گیا کہ ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ وعار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے تنفر رکھنا نسبی حیثیت سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اعلیٰ حضرت نے بڑا خوبصورت جواب دیا:
''سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہوں، ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے۔ نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی''۔
(فتاویٰ رضویہ: جلد22)
اسی صفحے پر اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں کہ:
''سید اگر عالم دین بھی ہو تو نور علیٰ نور ہے۔ امور مباحہ میں جہاں تک نہ شرعی حرج

ہونہ کوئی ضرر، سیّد غیر عالم کے بھی احکام کی اطاعت کرے کہ اس میں اس کی خوشنودی ہے اور سادات کرام کی خوشی میں کہ حد شرع کے اندر ہو، حضور سید عالم ﷺ کی رضا ہے اور حضور کی رضا اللہ کی رضا''۔

پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی

الزموا مودتنا اهل البیت فانه من لقی اللہ وهو یودنا دخل الجنة بشفاعتنا والذی نفسی بیده لاینفع عبدا عمله الا بمعرفة حقنا

(المعجم الاوسط)

''ہم اہلبیت کی محبت لازم پکڑو کہ جو اللہ سے ہماری دوستی کے ساتھ ملے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا۔قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کسی بندے کو اس کا عمل نفع نہ دے گا جب تک ہمارا حق نہ پہچانے''۔

(فتاوی رضویہ: جلد22)

جنت میں سیّدوں کے آباؤ اجداد کی حکومت ہوگی ، اس لیے کسی بھی سیّدزادے سے دشمنی مہنگی پڑ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بد بخت ہونے سے بچائے۔

بقیہ: عسکری قیادت

یہود سے ہوکر نعیم بن مسعود قریش کے پاس آئے اور ابوسفیان سے اس کے ساتھیوں کی موجودگی میں کہا: تمہیں تو معلوم ہے کہ میرا تم سے کس قدر خلوص ہے اور یہ کہ میرا محمد سے کوئی تعلق نہیں ،اس وقت میں ایک ایسی بات لے کر آیا ہوں جن کے پہنچانے میں تمہاری خیر خواہی مقصود ہے مگر تمہیں یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ اسے صیغۂ راز میں رکھو گے۔ انہوں نے وعدہ کرلیا اور نعیم بن مسعود نے ان سے کہا: یہود اپنے کیے پر پریشان ہو گئے ہیں اور انہوں نے محمد کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ ہم اپنے کیے پر پشیمان ہیں ، کیا آپ کو یہ بات ہم سے راضی کرلے گی کہ ہم قریش وغطفان کے سرداروں کو پکڑ کر ان کی گردنیں ماردیں اور پھر آپ کے ساتھ ان کے خلاف یہاں تک لڑیں کہ ان کا خاتمہ ہو جائے اور محمد نے انہیں جواب دیا کہ ہاں مجھے منظور ہے ۔لہٰذا اب اگر یہود تمہارے پاس سرداروں کو بطور رہن رکھوانے کو کہیں تو تم ہرگز ایسا نہ کرنا اور اپنا ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا ،قریش سے ملنے کے بعد نعیم ابن مسعود غطفان کے پاس آئے اور کہا: تم میرا خاندان اور قبیلہ ہو اور میرے نزدیک محبوب ترین ہو میں امید کرتا ہوں کہ تم مجھ پر اعتماد کرو گے اور میری تصدیق کرو گے ،انہوں نے کہا: ہم تمہیں سچا مانتے ہیں ۔اس کے بعد نعیم بن مسعود نے ان سے بھی وہی کچھ کہا جو قریش سے کہا۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ابوسفیان اور غطفان کے سرداروں عکرمہ کو دونوں قبیلوں کے افراد کی معیت میں بنو قریظہ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لوگ گھروں میں نہیں بیٹھے ہوئے ، گھوڑے اور اونٹ ہلاک ہورہے ہیں ،قتال کے لیے روانہ ہو پڑو۔ تا کہ ہم محمد سے جنگ کر کے اس کے اور اپنے درمیان موجود قضیے کو ختم کر ڈالیں ،اس پیغام کے جواب میں یہود بنی قریظہ نے قریش اور غطفان کو یہ پیغام ارسال کیا کہ آج ہفتے کا دن ہے اور اس روز ہم کچھ نہیں کرتے جیسا کہ تم جانتے ہو، کیوں کہ ماضی میں اس روز کام کر کے ہمارے چہرے مسخ ہو گئے تھے اور ہم تم سے مل کر محمد کے خلاف اس وقت تک شامل جنگ نہ ہوں گے جب تک تم اپنے آدمیوں سے کچھ کو ہمارے پاس بطور رہن کے نہیں رکھواتے ،تا کہ محمد سے جنگ کرنے کے سلسلے میں ہمارے پاس یہ ایک ضمانت کے طور پر ہوں گے کیوں کہ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر جنگ کی صورتحال شدید ہو جائے تو ایسا نہ ہو کہ تم ہم سے جدا ہو کر اپنے وطن چلے جاؤ اور ہمیں محمد کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔

اس پیغام کو پا کر قریش وغطفان نے آپس میں کہا کہ خدا کی قسم جو کچھ نعیم ابن مسعود نے کہا تھا وہ حسن ہے اور بنوقریظہ نے اس سے انکار کر دیا اور اس طرح دشمن میں پھوٹ پڑ گئی ادھر سے اللہ نے سرد ترین راتوں میں ایسی آندھی بھیجی جس نے ان کی ہانڈیاں الٹ دیں ، خیمے اکھاڑ دیے اور وہ بری طرح ہزیمت کھا کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

بقیہ: میڈیکل سائنس

ابن الہیثم نے علم بصریات پر دنیا کی سب سے پہلی تصنیف ''کتاب المناظر'' مرتب کی۔ ابن الہیثم نے آنکھ کے حصوں کی تشریح کے لئے ڈایا گرام بنائیں اور ان کی تکنیکی (Technical) اصلاحات ایجاد کیں جیسے ریٹینا (Retina) کارنیا (Cornea) اور کیٹا ریکٹ (Cataract) جو اب بھی مستعمل ہیں۔ آنکھ کے بیچ ابھرے ہوئے حصہ (پتلی) کو اس نے عدسہ کہا جو مسور کی دال کے دانے کی شکل کا ہوتا ہے لاطینی میں مسور کو لینٹل (Lentil) کہتے ہیں جو بعد میں مختصر ہو کر لینز (Lens) بنگیا۔

فارس کے سائنسدان' ماہر طبیعات' ہیت دان' فلسفی اور کیمیادان ابوبکر الرازی (854-925ء) جو کہ جالینوس العرب کے لقب سے مشہور ہیں انہوں نے بصارت فکر اور تحقیق انہماک سے نتیجہ اخذ کیا کہ آنکھ کی تپلی روشنی ملنے پر ردعمل ظاہر کرتی ہے ابو القاسم عمار موصلی (996-1020ء) ایک طبیب حاذق اور ماہر امراض چشم تھے۔ موتیا بند (Cataract) کا سب سے پہلا آپریشن ابوالقاسم موصلی نے کیا تھا۔امراض چشم پر اس کی کتاب ''علاج العین'' ہے جس میں مختلف بیماریوں کا بیان' علاج اور ادویہ کے نسخے تحریر ہیں۔1905 میں یہ کتاب عربی متن اور جرمن ترجمہ کے ساتھ جرمنی میں چھاپی گئی تھی۔

الشیخ الرئیس بوعلی سینا (980-1037ء) نے سب سے پہلے آنکھ کی فزیالوجی' اناٹومی اور تھیوری آف ویژن بیان کی۔ اس نے آنکھ کے اندر موجود رگوں اور پٹھوں کو تفصیل سے بیان کیا۔ ابو القاسم الزہراوی (936-1013ء) نے بھی اپنی تصنیف ''التصریف عن عجز عن التالیف'' میں موتیا بند کے آپریشن کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ابن رشد اندلسی (1126-1198ء) یہ دنیا کا پہلا طبیب ہے جس نے آنکھ کے اس پردہ جس میں بصارت کی حس ہوتی ہے یعنی ریٹینا کا صحیح سائنسی عمل بیان کیا ہے۔ اس نے یہ نظریہ دیا کہ آنکھ کا ضیائی آخذہ (Photorecepter) لینز نہیں بلکہ ریٹینا ہے۔

صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن

قرآن پاک کے نہایت مؤثر پیغامات

(قسط 30)

ماسٹر احسان الٰہی قصور

86۔ توبہ: رجوع الی اللہ: وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایہ المومنون لعلکم تفلحون۔

گناہوں سے نادم ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا نام توبہ ہے، انسان اپنی خلقت کے لحاظ سے نہ فرشتہ ہے اور نہ شیطان۔ اپنی تخلیق کی ابتدا سے گناہوں سے کنارہ کش رہنا اور ہمہ وقت اطاعتِ الٰہی میں مشغول رہنا فرشتوں کا خاصہ ہے۔ دائمی سرکشی، بغاوت اور مخالفتِ حق کارِ شیطان ہے انسان سے غلطی اور گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور بھول چوک ہو جاتی ہے لیکن اسے گناہوں پر نادم ہو کر اسے ترک کرنے، توبہ کرنے اور رجوع الی الحق کی صلاحیت سے بھی بہرہ مند کیا گیا ہے۔ توبہ کرنا شیوۂ آدمیت ہے، جو شخص توبہ کرتا ہے گویا وہ اپنے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی نسبت کو درست اور قریب کر لیتا ہے لیکن اگر کوئی بدبخت انسان ہمیشہ گناہوں پر مصر رہے اور ڈٹا رہے گویا اس نے اپنی نسبت اور تعلق شیطان سے جوڑ لیا ہے۔ ایک عام انسان کے لیے ایسا ناممکن ہے کہ اس کی زندگی کا ہر لحہ غفلت سے پاک، عبادت وریاضت اور اطاعت وبندگی سے بھرپور اور معمور ہو جائے اور وہ دنیا میں رہتے ہوئے فرشتوں کی سی زندگی بسر کرے۔ انسان کے وجود اور سرشت میں لغزش ونسیان اور نفسانی خواہشات کا مادہ بھی موجود اور حلول ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انسان کے وجود میں شہوات وخواہشات کو بھی پیدا کیا گیا ہے اور جب یہ اس کے وجود میں رچ بس گئی تو اسے جوہرِ عقل سے بھی نوازا گیا۔ عقل کو شہوت کا دشمن بنایا گیا اور یہ خالص فرشتوں کا جوہر ہے۔ عقل کو یہ ہدف دیا گیا کہ وہ اپنی خداداد صلاحیت سے کام لے کر خواہشِ نفسانی وشہوت کے اس قلعہ میں رخنہ ڈالے اور توبہ اور مجاہدہ کی قوت سے اسے فتح کرے اور اسے شیطان کی غلامی اور نفس کی بالادستی سے نجات دلائے۔ گویا کہ توبہ ہر شخص کی ضرورت ہے اور اللہ رب العالمین کی معرفت کے جویاں افراد شرح سے اکتساب کرتے ہوئے اور اپنی مومنانہ فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے صحیح سمت اور راستے کا تعین کر سکتا ہے گویا توبہ ایک ایسا اہم ترین لائحہ عمل ہے جو تمام فرائض وواجبات کی جان ہے۔ اس لیے کہ اس کا مطلب ہی گمراہی کو ترک کر کے سیدھے راستے کو اختیار کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہر بندے کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر 31 میں ارشادِ باری ہے:

''اور اے مومنو! سب مِل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

سورۂ ھود کی آیت نمبر 3 میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور یہ کہ اپنے ربّ سے معافی کے خواستگار ہو، پھر اُس کی طرف توبہ کرو''۔

اور قرآنِ مجید، فرقانِ حمید کی سورۃ التحریم کی آیت نمبر 8 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کے حضور کھری قِسم کی توبہ بجالاؤ''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے جو شخص توبہ کرے گا اُس کی توبہ قبل کر لی جائے گی''۔

(صحیح مسلم)

توبہ کیا ہے؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ توبہ کی ابتدا اِس طرح ہوتی ہے کہ دل میں معرفت اور شناسائی کا ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور کی روشنی میں انسان کو یہ دکھائی دیتا ہے کہ گناہ ایک زہرِ قاتل ہے جو اس کے رگ وپے اور نس نس میں رچ بس چکا ہے اور اسے محسوس اور ادراک ہونے لگتا ہے کہ یہ زہر تو اس نے بہت بڑی مقدار میں کھا لیا ہے اور اس کا انجام بالآخر ہلاکت اور تباہی ہے تو اس پر خوف اور ندامت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس طرح زہر کھانے والا انسان پریشانی اور خوف کی حالت میں حلق میں انگلی ڈال کر خوراک اور ہر کو باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے قے آجائے اور وہ زہر کو باہر اگل دے اور اُس کی جان بچ جائے تو وہ اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ اسی طرح توبہ کی طرف مائل ہونے والا جب محسوس کرتا ہے کہ میری تمام شہوانی اور نفسانی خواہشات دراصل اس شہد کی مانند تھیں جس میں زہر ملا ہوا تھا جو نوش کرتے وقت تو بہت ہی لذیذ اور شیریں معلوم ہوتا رہا لیکن انجام کار سانپ کے ڈنک کی طرح زہر سے بھرپور نکلا، یہ جان کر اس گنہگار کی پشیمانی اسے مضطرب کر دیتی ہے اور اس کے اندر بے قراری کی ایک آگ سی بھڑک اٹھتی ہے۔ گناہ کی خواہش توبہ کی حسرت کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اپنے کیے ہوئے گناہوں کی معافی اور تلافی کا ارادہ دل میں بیدار ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے بار بار ندامت کے ساتھ یہی الفاظ تکرار کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اے اللہ! اے غفور ورحیم مجھے معاف کر دے۔ میں آئندہ سے تائب ہوتا ہوں اور کبھی گناہ کے قریب بھی نہیں بھٹکوں گا۔ یہ کہتے ہوئے وہ گناہوں سے لتھڑے ہوئے لبادہ کو تار تار کر کے خلوص، وفا کی بساط بچھا دیتا ہے اور اُس کے کردار، افعال واعمال میں انقلاب برپا

ہو جاتا ہے۔ پہلے وہ غرور ونخوت اور غفلت وتساہل کا پُتلا تھا تو اب وہ اشکِ ندامت، حسرت وارمان اور عجز ونیاز کا پیکر مجسمہ دکھائی دیتا ہے۔ پہلے اہلِ غفلت کی صحبت اسے مرغوب تھی اور اب اہلِ علم ومعرفت اور صاحبانِ تقویٰ وطہارت کی صحبت اس کے لیے مایۂ سرور اور راحتِ جان بن جاتی ہے اور صحبتِ بد سے اسے وحشت ہونے لگتی ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کنند
صحبت طالح ترا طالح کنند

پس یہی پشیمانی، یہی ندامت اور یہی بے قراری حقیقت میں ''توبہ'' ہے۔ یعنی احساسِ ندامت، اپنے اعمال اور افعال پر پچھتاوا اور اصلاح کی طرف میلان اور رغبت توبہ کہلاتا ہے۔ اس کی جڑ وہ نور ہے جسے نور ایمان یا نورِ معرفت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی شاخیں وہ حالات ہیں جو بدل چکے ہیں، وہ مخالفت ہے جو بندۂ مومن کے دل میں گناہ، سرکشی اور بغاوت کے بارے میں جنم لیتی ہے اور وہ جذبہ اور احساس ہے جو بدن کے تمام اعضاء کو گناہ اور بدی سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے اور اسے حق تعالیٰ سبحانہٗ کے حکم کی موافقت، مطابعت اور عبادت واطاعت پر مجبور کر دیتا ہے۔ (کیمیائے سعادت)

توبہ اور طلبِ مغفرت

مرکزی ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی پاکستان کے بانی، ڈائریکٹر جنرل اور مہتمم، اتفاق اسلامک سنٹر لاہور کے خطیب مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن علامہ پیر سیّد ریاض حسین شاہ زیدہ مجدہٗ دینی دعوت اور اصلاحِ عمل کے حوالے سے اپنی خوبصورت انقلاب آفرین تصنیف ''سراغِ زندگی'' میں رقمطراز ہیں: اس جولانگاہ حیات میں انسان بے دشمن پیدا نہیں کیا گیا۔ اس کے مزاج اور فطرت میں دنیا کی محبت کسی حد تک رکھی گئی ہے۔ شیطان ہر وقت اسے جادۂ حق سے ورغلانے کی سعی اور کوشش کرتا رہتا ہے۔ نفسِ امارہ بھی امورِ گناہ کو حسین بنا بنا کر پیش کرتا رہتا ہے۔ طبعی اور بشری کمزوریاں مثلاً غصہ اور انتقام کا جذبہ صحیح خطوط پر نہ سوچنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان حالات میں گناہ، لغزش اور خطا کا صدور ناممکن نہیں رہتا۔

گناہ صادر ہو جائے تو انسان کے لیے دو ہی راستے ہوتے ہیں: ایک یہ کہ وہ خطاؤں اور لغزشوں کی پگڈنڈیوں پر الجھتا چلا جائے اور دوسرا یہ کہ وہ غلطیوں اور امورِ گناہ سے باز رہے اور اپنے کردار کی تعمیر اور تشکیل کے لیے مخلصانہ کوشش کرے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے گناہ کو اگرچہ پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا بلکہ ممکنہ حد تک اس کی حوصلہ شکنی کی ہے لیکن ساتھ ہی وہ لوگ جو اخلاص اور صحتِ نیت کے ساتھ تعمیرِ سیرت کی کوشش کریں، ان کے لیے توبہ کے دروازے کھلے رکھے ہیں۔

قرآن حکیم کی سورۃ الانعام آیت نمبر 54 میں ارشاد ہوا:

''تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے۔ پس تم میں سے جس نے کوئی برا کام نادانی سے کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور سنور گیا تو اللہ بھی بہت بخشنے والا مہربان ہے''۔

غلطیوں کا ارتکاب کبھی رغبت سے ہوا ہے اور کبھی بے رغبتی سے۔ ایسے گناہ اور خطائیں جن میں انسانی نیت اور رغبت کا دخل نہ ہو، اس کے معاف ہو جانے کی تو قوی امید ہوتی ہے اور ایسے گناہ جن پر ارادہ اور رغبت بھی شامل ہو اگر پر سچے دل سے توبہ کر لی جائے اور سرزد ہونے والے اعمال پر ندامت اور پریشانی بھی حاصل ہو جائے تو ان کی بخشش سے بھی ناامیدی درست نہیں ہوتی بلکہ مغفرت کا کامل یقین ہوتا ہے۔

اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

''فرما دیں اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ سارے گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

(سورۃ الزمر 53)

ایک شخص مشرق کی طرف جا رہا ہو غلطی سے اس کا رخ مغرب کی طرف ہو تو اس شخص کی توبہ یہی ہے کہ مغرب کو چھوڑ کر مشرق کی طرف چل پڑے وگرنہ بصورت دیگر کہ زبان سے تو اقرار کرتا رہے اور قدموں سے غلط سمت ہی بڑھتا رہے تو ایسے شخص کو توبہ کا وظیفہ کام نہیں دے گا بعینہٖ وہ لوگ جو زبان سے توبہ توبہ کرتے رہتے ہیں لیکن غلطیوں کے ارتکاب سے عملاً باز نہیں آتے، ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ کسی عمل سے توبہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اصلاح کی کوشش بھی کی جائے۔

سورۃ النمل آیت نمبر 119 اس بات کی نشاندہی یوں کرتی ہے:

''بے شک تیرا ربّ، ان لوگوں کے لیے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں، پھر اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح بھی کر لیں تو بے شک تمہارا ربّ اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے''۔

نفس کو گناہ پر ڈھیٹ ہونے سے مجتنب رکھنا اور اس کوشش میں رہنا کہ اعمال کی اصلاح ہوتی رہے اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے بہترین وسیلہ ہے۔ وہ لوگ جو اخلاص سے اس کارِ حیات میں اپنے محبوب کو راضی رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ خدا انہیں صرف معاف کر دیتا ہے بلکہ ان کی لغزشوں کو حسنات سے بدل دیتا ہے۔ توبہ کے لیے اگرچہ اتنا ہی کافی ہے کہ انسان مخلص ہو کر خداوند قدس کی بارگاہ میں رجوع کرے، تاہم زمان ومکان کی بعض قیود و حدود ایسی ہیں جہاں رب غفور الرحیم اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے زیادہ نوازتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں اللہ نے اپنے نفوس پر ظلم کر بیٹھنے والوں کو حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''اگر یوں ہو کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں اور آپ کے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہیں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے''۔

(سورۃ النساء آیت 64)

توبہ کا یہ عمل کس قدر اللہ جل شانہ کے نزدیک محبوب ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ رسالت مآب ﷺ معصوم ہونے کے باوجود ہر روز اللہ تعالیٰ سے ستر بار سے زیادہ معافی کے خواستگار ہوتے۔ (بخاری شریف)

توبہ کی فضیلت ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے اس طرح بیان فرمائی کہ ایک شخص کا اگر سامان سے لدا ہوا اونٹ گم ہو جائے۔ بالکل مایوس ہو جانے کے بعد اگر اسے دوبارہ مل جائے تو وہ اتنا خوش ہو کہ ربّ کو بندہ اور اپنے آپ کو ربّ کہنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس شخص سے بھی کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو اگر وادی

بھر سونا بھی مل جائے تو یہ دو وادیاں پسند کرے گا۔ اس کے منہ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی، ہاں اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں پر ضرور رجوعِ رحمت فرماتا ہے۔ (سراغِ زندگی صفحہ 51 تا 54)

واصف علی واصف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

☆ اگر توبہ قبول ہو جائے تو گناہ کی یاد نہیں آتی۔

☆ توبہ کا عمل ترک نہیں کرنا چاہیے۔

☆ انسان کو گناہ سے شرمندگی نہیں تو توبہ سے کیا شرمندگی۔

☆ جو آدمی سچے دل سے توبہ کرتا ہے، خدا اسے ذلت و رسوائی سے بچا لیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک دفعہ قحط سالی ہوگئی اور لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ بارش نہیں ہو رہی، خشک سالی ہے لوگ بھوکوں نڈھال ہیں۔ اللہ ربّ العزت کے حضور دعا فرمائیں۔ موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو لے کر ایک کھلے میدان میں لے آئے تاکہ سب لوگ اللہ تعالیٰ سے بارش کی التجا کریں اور اپنے گناہوں پر نادم ہوں۔ غیب سے ندا آئی اس مجمع میں ایک ایسا بدبخت اور گناہگار انسان ہے جس کی وجہ سے بارش اور رحمتِ خداوندی کا نزول نہیں ہوا۔ اس گناہگار شخص کو مجمع سے نکال دو پھر بارش برسا دی جائے گی اور قحط سالی خوشحالی میں بدل جائے گی۔ سب نے اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیا لیکن کوئی شخص باہر نکلنے کو تیار نہ ہوا۔ جس شخص کے بارے میں کہا گیا کہ ایک گناہگار کی وجہ سے رحمتِ باری کا نزول نہیں ہو رہا اُس شخص نے بھی اپنے اعمال کا جائزہ لیا اور اُس کی زندگی گناہوں سے لتھڑی ہوئی تھی اور کوئی نیکی اُس کے نامۂ اعمال میں نظر نہ آئی تو اُس نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا کہ اے باری تعالیٰ میں ہی وہ بدبخت، بدقسمت اور بدنصیب انسان ہوں جس کی وجہ سے رحمت کا نزول نہیں ہو رہا۔ میں نے اپنا جائزہ لیا ہے میرے دامن میں سوائے گناہوں اور لغزشوں کے کچھ نہیں ہے۔ مجھے ندامت اور پشیمانی ہے کہ میری وجہ سے تمام مخلوق تکلیف میں ہے۔ میں تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ میری توبہ قبول کر لے اور آئندہ کوئی گناہ اور برے کام نہیں کروں گا اور تیری اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرتا رہا ہوں لیکن مجھے رُسوا نہ کرنا۔ اگر میں اس ہجوم سے باہر نکلا تو ذلیل و رسوا ہو جاؤں گا اور لوگ مجھے لعنت ملامت کریں گے اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ مجھے رسوائی سے بچا لے۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کے حال تو جانتا ہی ہے اور وہ گناہگار شخص حقیقتاً اندر سے مسلمان ہو چکا تھا۔ یکایک بادل اُمڈ آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ ہر طرف جل تھل ہوگیا۔ فضا خوشگوار ہوگئی اور زمین جس پر مردنی چھائی ہوئی تھی اُس میں جان آ گئی اور لوگوں نے سُکھ کا سانس لیا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا باری تعالیٰ مجمع سے باہر تو کوئی شخص بھی نہیں نکلا تو تو نے بارش کیسے برسا دی۔ اللہ ربّ العزت نے فرمایا کہ اُس شخص نے سچے دل سے توبہ کر لی تھی اور میں نے وہ توبہ قبول کر لی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کی کہ اے پروردگار وہ شخص تو دکھا دے جس بدبخت کی وجہ سے تیری رحمت کا نزول نہیں ہو پا رہا تھا۔ اللہ ربّ العالمین نے فرمایا اے مُوسیٰ میں اُس شخص کو کیوں ظاہر کروں جس وقت وہ گناہوں اور لغزشوں میں ڈوبا ہوا تھا اور شیطان کا آلۂ کار بنا ہوا تھا، میں نے اس وقت اُس کو رسوا نہ کیا اور اُس کی پردہ پوشی کرتا رہا اور اب جبکہ وہ میرا ہی ہو کر رہ گیا ہے اور میرا دوست بن گیا ہے تو اب میں اُس کے عیوب پر پردہ پوشی کیوں نہ کروں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ کھانے، پینے اور پہننے کو دیا۔ ہمیں عقل اور شعور بخشا تاکہ ہم مسائلِ زیست کو خوش اسلوبی سے حل کر سکیں اُس کا شکر جتنا بھی ادا کیا جائے کم ہے حق تو یہ تھا کہ حق ادا نہ ہوا۔ اگر وہ ہماری ایک آنکھ لے لیتا ہمیں بہرا اور لنگڑا کر دیتا تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیتے۔ ہم تو بجائے شکر گزاری کے اُس کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ کونسا عیب نہیں جس کے ہم مرتکب نہیں ہو رہے۔ شراب نوشی، سود، زناکاری، حرص و ہوس کے پجاری نہیں ہیں۔ کیا ہم اللہ کے عذاب کے قابل نہیں ہیں؟ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ہم پر پھر بھی رحیم، کریم اور غفور ہے، ہر وقت مائل بہ کرم ہے اور توبہ قبول کرنے کو ہمہ وقت تیار ہے۔ انسان فطری طور پر کمزور پیدا ہوا ہے اور اُس کی عبادت اور پیروی کا حق ادا نہیں کر پا رہے۔ کوتاہی، غفلت میں مبتلا رہتے ہیں۔ رغبت ہمیشہ گناہ کی طرف ہوتی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں حقوق اللہ کماحقہٗ ادا کرتا ہوں لیکن رحمتِ خداوندی پھر بھی بہت وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی انسانی مخلوق پر اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرتا بلکہ کھلے رکھتا ہے جن کی وجہ سے گناہگار اور لغزشوں میں لتھڑا انسان اپنے قلوب و اذہان کی غلاظتوں اور آلودگیوں سے زنگ اتار سکتا ہے۔ یوں تو اللہ کی رحمت اور کرم کے دروازے ہر وقت اور ہر لمحہ کھلے رہتے ہیں اور انسان کسی بھی وقت رجوع الی اللہ کی چوکھٹ چوم سکتا ہے لیکن کچھ خاص ساعتیں اور ایام ایسے بھی ہیں جن میں انعام و اکرام باری تعالیٰ کی خاص نوازشیں حاصل ہوتی ہیں اور یہ وقت اللہ سے نہایت قربت کا ہوتا ہے اور اللہ پاک ان لمحات میں دعائیں رد نہیں فرماتا۔ اِن کی تعداد چار ہے:

1۔ عیدالضحیٰ کی شب 2۔ عیدالفطر کی شب

3۔ شعبان کی پندرہویں شب 4۔ عرفہ کی شب

اس کے علاوہ جمعہ کی شب اور لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ کی ایک شب۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان اوقات اور لمحات سے فائدہ اٹھائیں اور مذکورہ ایام میں رو رو کر لرزتے ہاتھوں کے ساتھ ربّ کائنات سے مغفرت طلب کریں اور توبہ استغفار کریں۔ اے اللہ ہم تیرے حضور تیرے نبی مصطفی ﷺ، آلِ پاک اطہار، اہلِ صدق و صفا اور فضل وجود و وفا کے مالک اصحاب کو وسیلہ لاتے ہیں۔ مولا! ہماری دعائیں قبول فرما۔ تو ہی ہمارا مددگار ہے! تو ہی ہمارا حاجت روا ہے، تیری رحمتوں کے ہم دریوزہ گر ہیں! اے اللہ ہمارے گناہ، ہماری تقصیریں، ہماری لغزشیں معاف فرما دے۔ ہم تیرے محبوب رسول ﷺ کے وسیلہ سے معاصی پر تیری چشمِ عفو کے امیدوار ہیں، معاف فرما دے، ہمارے گناہوں کو نہ دیکھ اپنی بے پایاں رحمت کو دیکھ۔ مولا! ہر خوف و خطر کی جگہ سے محفوظ اور پناہ میں رکھنا! ہمارے اعمال کے حقیر ہونے کو نہ دیکھ، اپنے محبوب ﷺ کی نسبت پر نظر ڈال۔ آقا! ہم پر رحم فرما۔ اے معاف کرنے والے معاف فرما، اے کرم کرنے والے کرم سے نواز۔ تو ہی قاضی الحاجات ہے، تو ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے، مولا تو ہی الرحم الرحمین ہے، مولا کرم فرما دے، توبہ قبول فرما لے۔

سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

(جاری ہے)

قسمت کی کیا شکایت تقدیر کا گلہ کیا؟

حافظ شیخ محمد قاسم

راولپنڈی سے اگر آپ میانوالی جائیں تو تلہ گنگ سے تقریباً 30 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک معروف بزرگ ہیں جن کے مزار کی نسبت سے ایک گاؤں دندہ شاہ بلاول کہلاتا ہے۔ یہ آستان رحمت ہمدانی سادات کی تاریخ میں وہی شہرت رکھتا ہے جو بخاری اور حسینی بھاکری سادات کی تاریخ میں اُوچ شریف کو حاصل ہے، ویسے کوئی آدمی یہ نہ سمجھے کہ مزار کی نسبت محترمہ بے نظیر کے فرزند بلاول کی وجہ سے ہے بلکہ خیال گزرتا ہے کہ محترمہ کو چونکہ مزارات سے عقیدت تھی تو بلاول شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر انہوں نے اپنے بیٹے کا نام رکھا۔ تھوڑا سا میں گھبرا رہا ہوں کہ شاہ جی کی تاریخ میں بے نظیر کا ذکر اچھا نہیں لیکن اب تو پیر سید نصیر الدین شاہ گولڑوی نے حجاب دور کر دیا ہے اور محترمہ کی شان میں انہوں نے جو قصیدہ لکھا ہے اس کے یہ اشعار سادات کے لیے نشانِ امتحان ہیں:

تمام شہر ہیں خاموش، بند ہیں بازار
اداس تیرے عقیدت گزار بیٹھے ہیں
تُو ایک حُور شمائل، تُو وہ حیا پیکر
کہ لوگ سر تری سیرت پہ وار بیٹھے ہیں
نکل کے ان کو دکھا دے ذرا جھلک اپنی
تری لحد پہ تیرے جاں نثار بیٹھے ہیں
تُو وہ خطیبہ، خطابت کو ناز ہے جس پر
تری ہی یاد میں سب دل فگار بیٹھے ہیں
تو اپنی ذات میں کیا بے نظیر بن کے اٹھی
کہ ترے رُعب سے فتنے ہزار بیٹھے ہیں
تو ایک چاند جو ہو تیرگی کے حلقے میں
تو ایک گل، کہ ترے گرد خار بیٹھے ہیں
ملے گی تجھ کو شفاعت شفیع محشر کی
پئے دعا صلحائے کبار بیٹھے ہیں
نصیرؔ ان سا زیاں کار کوئی کیا ہو گا
جو آپ اپنے مسیحا کو مار بیٹھے ہیں

بات ہو رہی تھی دندہ شاہ بلاول کی، اس عظیم گاؤں کے بالکل پڑوس میں ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کا نام میال ہے۔ ہمارے شاہ جی بھی اس گاؤں میں آتے جاتے رہے ہیں۔ میں نے شاہ جی کی معیت میں میانوالی کی طرف درجنوں سفر کیے ہیں۔ جب بھی آپ میال سے گزرتے ہیں، کچے گھروں کی اس بستی کے سامنے شاہ جی گاڑی سے نکل کر کھڑے ضرور ہوتے ہیں پھر گاؤں کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ آب دیدہ ہو جانا ان کا معمول ہے۔ لگتا ہے وہاں اس گاؤں میں شاہ جی کی تاریخ کے کچھ اوراق سمٹے پڑے ہیں، جن میں یادوں کے نقوش جگمگاتے ہیں۔ وہ رات میں کبھی بھول نہیں سکتا، جب ٹبوں ٹیلوں پر بکھری چاندنی میں شاہ جی گاڑی سے نکلے اور میال گاؤں کے سامنے ایک پُھلاہی کے درخت کی اوٹ میں بیٹھ گئے، ہم سفر ساتھی اچھی طرح محسوس کر رہے تھے کہ شاہ جی کے ذہن میں اس گاؤں سے وابستہ کچھ یادیں ہیں جن کی شمعیں جلانے کے لیے آپ سرِ راہ بیٹھ گئے ہیں۔

نگاہ میں ہیں زندگی کی خاص خاص ساعتیں
کہیں کہیں کوئی چراغ جل رہا ہے دیکھیے

معمول کے مطابق سب دوستوں نے حلقہ بنایا محفلِ ذکر ہوئی اور ختمی مرتبت ﷺ کی نعت مجھے پڑھنے کی سعادت ملی۔ اچانک شاہ جی نے بساط رنگ پلٹ دی اور ضیاء الحق نسیم سے کہا کوئی غزل یاد ہے تو سناؤ۔ ضیاء بھائی نے پُرسوز لہجے میں جب اقبال کا کلام سنایا آنکھیں اشکبار ہو گئیں، محفل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، یہ لمحات ہمارے لیے غنیمت تھے ہم نے شاہ جی سے پوچھ ہی لیا اس گاؤں کے سامنے یہ یادوں کا چراغاں کیا حکمت رکھتا ہے۔ شاہ جی نے مدہم لہجے میں جواب دیا اس بستی میں گزرا ہوا ماضی کا ایک ایک لمحہ درد اور صدموں کی لہروں میں ڈوبا ہوا ہے، میال کے سادات گھرانے سے میں نے ایک بچہ مانگ کر لیا تھا وہ میرے ہاں ہی رہا، پلا، بڑھا، تعلیم حاصل کی، درس نظامی کی راہ لگا اس کی طفلانہ زندگی نے شباب کا جامہ میرے سامنے ہی اوڑھا، درسیات کی تکمیل کی، قائد اعظم یونیورسٹی سے پوسٹ گریجوایشن کی، جنرل ضیاء الحق نے مجھے گرفتار کرنا چاہا تو وہ سندھ کے صحراؤں میں میرا ہمرکاب رہا، پڑھا لکھا، خوبصورت، ادیب، خطیب، محفل باز، زاہد، متقی، سید فرحت عباس شاہ جو میری زندگی میں سائے کی طرح میرے ساتھ رہا۔ میرے غموں اور صدموں میں میری مشکلوں اور مسائل میں وہ تنہا ہی تھا جو غم بانٹتا، ہمت دلاتا اور مجھے خوش رکھنا ہی اس کی زندگی کا منشور تھا۔ وہ گورنمنٹ کے فوڈ ڈیپارٹمنٹ میں اعلیٰ منصب پر فائز ہوا لیکن ایک دن اس نے مجھ سے برملا اجازت مانگ لی کہ یا مجھے رشوت کھانے کی اجازت دیں یا پھر ماں باپ سے امریکہ جانے کی اجازت دلوائیں، محدود سی تنخواہ میں میرا گزارا نہیں، شاہ جی کہتے ہیں مجھے تھوڑی سی مشکل پیش آئی لیکن سید فرحت عباس شاہ کو امریکہ جانے کی اجازت دلوا دی۔ شاہ جی سے مزید گفتگو نا ممکن ہو گئی اور فراق اور ہجر کے آنسو محفل میں چھا گئے، اس لیے کہ شاہ جی کا فرحت عباس اب دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ شاہ جی کے چہرے پر کرب کی گہری چھاؤں نے تجسس پیدا کیا کہ جانوں سید فرحت عباس شاہ سے شاہ جی کی وابستہ یادوں میں اتنا تعلق کیوں ہے۔ ایک دن

پوچھ ہی لیا اور شاہ جی کی بے خبری میں میں نے باتیں ٹیپ میں محفوظ کر لیں۔ شاہ جی کی شستہ تحریریں پڑھنے والوں کو ان کی برجستہ گوئی اور ارتجالاً گفتگو میں الگ سا مزا آئے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

سید فرحت عباس میرا دوست، لالہ جی کی نسبت سے سگی، میرا بہنوئی، ہونہار شاگرد اور میری محبت تھی۔ وہ میرے ساتھ رہنے اور ملنے میں ہمیشہ گرم جوش تھا۔ محفل میں نعت پڑھتا تو نور کی چادر تان لیتا، ذہن میں اختراع تھی۔ نازک جسم لیکن ہمہ دم متحرک اداؤں میں خرامِ یار کی آمیزش۔ تلاوتِ قرآن حکیم اس سے کبھی نہیں رہی۔ درود شریف روزانہ ایک ہزار بار ضرور پڑھ لیتا۔ ادب میں تخلیق کم تھی لیکن نقد و جرح پر گرفت تھی۔ سید تھا پکا سید، یزید کو سناتا تو لعنتی اور پلید بہت ہلکے لفظ ہوتے، ویسے بھی اگر وہ کسی کی چٹکی لیتا تو تیز جملوں کا برجستہ استعمال اس کا فن تھا۔ غریب پرور تھا انسان دوست، کیپیٹل پوسٹ (Capital Post) کا ایڈیٹر رہا اور انگریزی خوب لکھتا تھا۔

سید فرحت عباس شاہ کا امریکہ جانا میرے لیے امتحان بن گیا ایک دن اچانک ایک لڑکی بلکہ عورت کی اس نے فون پر مجھ سے گفتگو کرا دی۔ ''شاہ جی میں عیسائی لڑکی ہوں اور یہاں ایک مقامی یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوں آپ سے ایک سوال ہے آپ سیّد ہیں مجھے اُمید ہے ردّ نہیں فرمائیں گے۔ اگر آپ سید فرحت عباس کو مجھ سے شادی کی اجازت دے دیں تو میں مسلمان ہو سکتی ہوں اور میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی مسلمان ہو سکتے ہیں''۔ میں نے کہا ٹریسا! لیکن سید فرحت عباس میرا بہنوئی ہے، میری اجازت سے میری بہن پر کیا گزرے گی۔ اس کے تین بچے ہیں وہ زندہ یتیم ہو جائیں گے۔

لیکن شاہ جی میرے اسلام کا کیا بنے گا؟ ٹریسا نے بجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا ''اچھا میں سوچتا ہوں''۔ میں نے اپنی بہن شاہدہ سے بات کر لی اور اسے کربلا کے شہزادوں سے لے کر بغداد کے غوث تک سیدوں کی تاریخ یاد کروائی اور فیصلہ کر لیا کہ سید فرحت عباس کو ہمیشہ کے لیے امریکی تہذیب کے قبرستان میں چند لوگوں کے اسلام کی خاطر دفنا دوں۔

میں نے چند لوگوں کے اسلام کی خاطر کچھ لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی غرض سے سید فرحت عباس شاہ کو امریکہ میں شادی کرنے کی اجازت دے دی۔

امریکا میں سید فرحت عباس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ایک مسجد بھی بنا لی اور سعادت مند روحیں حلقۂ بگوش اسلام بھی ہو گئیں لیکن میرا خاندان نفسیاتی الجھنوں، مشاکل اور مسلسل مصائب کی دلدل میں پھنس گیا۔

چراغ حسن حسرت نے کہا تھا:

ناکام تمنا دل اس سوچ میں رہتا ہے
یوں ہوتا تو کیا ہوتا یوں ہوتا تو کیا ہوتا

سید فرحت عباس شاہ امریکہ خوشیوں اور مسرتوں کی چاندنی میں رہنے لگ گیا۔ ایک دن اچانک اس نے فون کیا کہ شاہ جی میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں خود ہی جیسے چارپائی سے آٹھ فٹ اُوپر آ گیا ہوں اور مجھے نیچے سب کچھ نظر آنے لگ گیا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میری روح میرے جسم سے جدا ہو رہی ہے۔ شاہ جی میں ولی تو ہوں نہیں شاید میرا آخری وقت قریب ہے مجھے معاف کر دینا۔

دوسرے دن پھر فون آیا شاہ جی خواب میں مجھے ایک جنازہ پڑھنے کا موقع ملتا ہے تو میت کی زیارت کے لیے آگے بڑھتا ہوں تو میّت کی جگہ میں خود ہی ہوتا ہوں۔ اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے وقت آ گیا ہے کہ میں آپ سے رخصت ہو جاؤں۔ کیا میرے لیے معافی ہو جائے گی۔ میری وصیت ہے کہ مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دینا۔

پھر چند دن بعد ڈاکٹر ظفر اقبال نوری نے مجھے فون پر یہ افسوسناک خبر سنائی کہ رونقوں، قہقہوں، لطیفوں، ولولوں اور جذبوں کی دنیا میں رہنے والا فرحت عباس اچانک اُس دنیا میں جا پہنچا ہے۔

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

سید فرحت عباس شاہ کو شاہ جی کے قدموں میں ان کی وصیت کے مطابق دفنا دیا گیا۔ وہ خوش قسمت ہیں کہ شاہ جی کے والد گرامی اور والدہ محترمہ کے قدمین میں دفن ہونے کی قسمت پائی ہے لیکن باوجود اس کے کہ شاہ جی صبح شام فرحت کے سرہانے اس کے لیے دست بدعا ہوتے ہیں لیکن ایک کرب سا شاہ جی کی زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔

عثمانیہ پر ایک دن شاہ جی نے اچانک کھانے کے لیے مجھے بلایا تو میں نے دیکھا ایک صاف رنگ تیرہ سالہ بچہ آپ کے پاس بیٹھا ہے گول مٹول، خوبصورت، انتہائی پیارا۔ شاہ جی اسے خود کھانا کھلا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہے فرمایا میرا دوسرا امتحان سید فرحت عباس کا بیٹا سید بلاول شاہ۔ میں نے غور سے شاہ جی کی موٹی موٹی نرگسی اور شربتی آنکھوں میں اترنے کی کوشش کی جیسے اشکوں اور آنسوؤں کے دریا میں ڈوب سا گیا ہوں۔

شاہ جی فرمانے لگے:

''ہر امتحان تلخی رکھتا ہے
لیکن یتیمی کا امتحان بہت کڑوا، کڑا اور تلخ ہوتا ہے!!
اے اللہ! زندگی کے امتحانوں میں کامیابی بخش''

اب فرحت عباس شاہ کی تصویریں سید بلاول شاہ، سید فراز اور سیدہ فاطمہ شاہ جی کے لیے امتحان بھی اور کرب بھی بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ سید فرحت عباس کے والد سید اسلم شاہ اور فرحت کے بھائی سوگوار خاندان کے اصل مربی ہیں لیکن شاہ جی پھر بھی بلاول کی آنکھوں میں فرحت ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ نجانے بھیگی پلکوں سے نکلنے والی دعائیں کتنی دردناک کہانیوں کی امین ہیں:

دل دریا سمندروں ڈونگے

اللہ تعالیٰ جب کسی کو ایک تکلیف دیتا ہے تو اس کے بعد اسے دو سہولتیں اور دو خوشیاں عطا فرماتا ہے۔
سو تکلیف پر کڑھنا نہیں چاہیے اور مصیبت پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔
سختیوں کے ساتھ آسانی، صبر کے ساتھ کامیابی اور غم و اندوہ کے ساتھ خوشحالی کے تحفے لا بدی ہیں۔

قبلہ شاہ جی صاحب کی تفسیر "تبصرہ" میں سورہ "الم نشرح" سے ایک اقتباس

منجانب
عبداللہ یٰسین ٹریولز، محمد طارق گل